ہفت روزہ
الجمعیۃ
نئی دہلی

جلد: ۳۵ شمارہ: ۴ ۲۸ جنوری تا ۳؍فروری ۲۰۲۲ء — ۲۴؍جمادی تا یکم رجب الآخر ۱۴۴۳ھ

Year-35 Issue-4 28 January - 3 February 2022 Page 16

ہندستان کی سرحدی ریاستوں میں ایک ناپسندیدہ قانون ہے

افسپا

کیا حکومت اس پر غور کرے گی؟

جموں وکشمیر سمیت مشرق کی نصف درجن سرحدی ریاستوں میں افسپا نافذ ہے جو مسلح فورسز کو لامحدود اختیار دیتا ہے اس لیے ضرورت ہے کہ اس پر غور کر کے اسے یا تو ختم کیا جائے اور یا پھر اس میں ترمیم کر کے اسے نرم بنایا جائے۔ محمد سالم جامعی

گذشتہ ماہ ناگالینڈ میں خود ہندستانی مسلح افواج کے ہاتھوں دو درجن سے زائد ناگا شہری جس طرح موت کی نیند سلا دیئے گئے وہ بلاشبہ ایک ایسا سانحہ تھا جس پر فوری ایکشن کی ضرورت تھی۔ آج ہماری فوج کے افسران خواہ کوئی بھی تاویل کرلیں یا کوئی بھی بہانہ بنالیں سچائی یہ ہے کہ یہ افسپا کے نشہ میں چور ہمارے فوجیوں کی عوام کی زندگیوں سے کھیلنے کا ایک بڑا نمونہ تھی، صرف ناگالینڈ ہی نہیں بلکہ جموں وکشمیر سمیت شمال مشرق کی ان تمام ریاستوں میں جہاں افسپا کا قہر برپا ہے تقریباً یہی صورتِ حال ہے اور ہر جگہ کے لوگ ہماری افواج کی ناحق کارروائیوں سے نہ صرف شاکی ہیں بلکہ اس سیاہ قانون کو ختم کرنے کا بھی مطالبہ کررہے ہیں اس لیے کہ ہمارے حکمرانوں نے اس پر کوئی کارروائی کرنے کی بجائے اسے صرف ایک بدقسمت حادثہ قرار دے کر اپنا پلہ جھاڑ لیا ہے۔

ناگالینڈ میں میانمار کی سرحد پر مون ضلع میں ہوئی اموات کو بدقسمتی سے تعبیر کر کے خاموش ہوجانا بہ سہولت ایک جھوٹ اور بہانا ہی ہوگا۔ یہ ہمارے ناگا بھائیوں کو تو یقیناً اچھا نہیں لگے گا۔ عالمی سطح کی افواج جس کی شاندار تاریخ رہی ہو، اس کی کوئی یونٹ ملک کے کسی حصہ میں کسی گاڑی کی بغیر جانچ کیے کیا اس طرح تابڑتوڑ گولیاں برسا سکتی ہے؟ شمال مشرق کے سرحدی علاقہ خاص کر وہ ریاستیں جہاں بغاوت کی تاریخ رہی ہو، دور دراز علاقوں میں ہونے کی تکلیفیں جھیلتے رہے ہیں۔ یہ علاقہ ملک کے اہم حصوں اور قومی میڈیا سے بہت دور ہے۔ یہاں کے لوگ بہت غریب اور پسماندہ ہیں، وہاں جو کچھ ہورہا ہے آخر وہ سب کیسے معلوم ہوگا۔ اس کے علاوہ مسلح فورسیز میں خاص اختیار والے قانون (افسپا) نے بھی تکبر اور غرور کو پیدا کردیا ہے۔

(باقی ص۴ پر)

اندر پڑھیے

- لڑکیوں کی شادی کی عمر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ص۵
- صرف مسلم کا محمد ﷺ پہ اجارہ تو نہیں ص۸
- آرایس ایس اور ہندستان کی سیاسی پارٹیاں ص۹
- نبی اکرم ﷺ کا اندازِ تعلیم و تربیت ص۱۰

ایتھوپیا: جو ایک طویل عرصے سے خانہ جنگی کا شکار ہے

دریائے نیل کی وادی جن ملکوں کو سیراب اور شاداب کرتی ہے، ان میں ایتھوپیا بھی شامل ہے۔ براعظم افریقہ کی دوسری سب سے بڑی آبادی والے ملک کی سرحدیں اریٹیریا، جبوتی، صومالیہ، جنوبی سوڈان اور سوڈان سے ملتی ہیں، یہ کثیر تہذیبی اور کثیر مذہبی ملک ہے۔ایک درجن سے زیادہ بڑے قبائل ہیں جن کی بود وباش ایک دوسرے سے بالکل جدا ہے۔ مذہبی عقائد بھی سماج کو متنوع اور رنگ برنگا بناتے ہیں۔

ماہرین کا خیال ہے کہ مجموعی طور پر یہ ملک ۸۰ سے زائد نسلوں اور قبائل پر مشتمل ہے۔مسلمانوں کی آبادی ۳۳ء۹ فیصد ہے جبکہ عیسائیوں میں آرتھوڈوکس ۴۳ فیصد، پروٹسٹنٹ ۱۸ فیصد، روایتی مقامی مذاہب کی آبادی، ڈھائی فیصد سے زائد اور کچھ کیتھولک اور یہودی بھی ہیں۔ ایک طبقہ کا خیال ہے کہ دنیا میں ایتھوپیا کو عیسائی اکثریتی ملک قرار دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ بطور خاص سابقہ حکومتیں عیسائیوں کی آبادی بڑھا چڑھا کر پیش کرتی ہیں جبکہ ۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق مسلمانوں کی تعداد ۵۰ فیصد کے قریب ہے۔ ایتھوپیا میں اسلام کی آمد حضور اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے ہجرت سے جوڑی جاتی ہے، کچھ صحابہ کرام مکہ مکرمہ سے افریقہ کے اس خطے میں آئے تھے جو آج ایتھوپیا اور اریٹیریا کہلاتا ہے۔ ایتھوپیا کے شمالی علاقہ تگرے میں باغی افواج نے پرچم بغاوت بلند کر رکھا ہے اور یہی جنگ پورے ملک کو خانہ جنگی میں دھکیلے ہوئے ہے۔ موجودہ وزیراعظم ابی احمد نے خانہ جنگی ختم کرنے کے لیے مختلف قبائل اور مسلح گروہوں میں مصالحتی کوششیں کی تھیں اور ایک افہام وتفہیم کا دور شروع کیا تھا اور مساعی امن کی وجہ سے ان کو ۲۰۱۹ء میں نوبیل انعام برائے امن بھی دیا گیا۔

ایتھوپیا میں خانہ جنگی کی صورتِ حال کی وجہ سے انسانی جانوں کا بہت زیادہ نقصان ہوا ہے اور بہت سے لوگ جان بچانے کے لیے پڑوسی ملک صومالیہ اور سوڈان میں چلے گئے ہیں۔ عالمی اداروں کے مطابق تگرے میں باغیوں اور ایتھوپیائی افواج کے درمیان ٹکراؤ کی وجہ سے لاکھوں لوگ قحط سالی کا سامنا کر رہے ہیں۔ ہزاروں لوگوں کے پاس کھانے پینے کا سامان موجود نہیں ہے۔ عالمی ادارے مسلسل کہہ رہے ہیں کہ سرکاری افواج محاصرہ کر کے تگرے میں ضروری اشیا پہنچنے سے روک رہی ہیں۔

ایتھوپیائی افواج اور شمالی خطے تگرے میں مسلح تصادم کی وجہ سے ہزاروں لوگ لقمہ اجل بن گئے اور تقریباً دولاکھ لوگ بے گھر ہوگئے۔ عالم اداروں کا کہنا ہے کہ پانچ لاکھ لوگوں کو فوری خوراک درکار ہے۔ چار لاکھ لوگ فاقہ کشی کے دہانے پر ہیں۔

سرکاری افواج تگرے میں پیش قدمی کر رہی ہیں۔ عالمی طاقتیں، امریکہ، برطانیہ اور دیگر ممالک ابی احمد پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ وہ تگرے میں امداد کا راستہ نہ روکیں اور انسانی جانوں کو بچانے کے لیے عالمی فلاحی اداروں کے ساتھ تعاون کریں۔ بعض حلقوں کا کہنا ہے کہ مجاہدین کے سیلاب کو روکنے کے لیے خارجی مداخلت ضروری ہے۔ بین الاقوامی اداروں کا کہنا ہے کہ کچھ حلقے اس خطے میں بحران کو طویل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے ایسے افراد اور اداروں کے خلاف پابندیاں عائد کرنا ضروری ہے جبکہ وزیراعظم ابی احمد کی سرکار کا کہنا ہے کہ تگرے لبریشن آرمی جنگی جرائم کی مرتکب ہورہی ہے۔ انسانی حقوق کے لیے کام کرنے والے ادارے Human Right Watch نے بھی اریٹیریا اور تگرے افواج پر انسانی حقوق کی بے حرمتی اور جنسی جرائم کے لیے موردِ الزام ٹھہرایا ہے۔

ایتھوپیا میں موجودہ خانہ جنگی کی ابتدا ۲۰۲۰ء کے اواخر میں فوج کے اڈے پر تگرے کے باغیوں کے حملہ کے بعد ہوئی تھی۔ اس حملہ کے بعد ایتھوپیا کی حکومت نے تگرے میں جوابی حملہ کیا اور ایمرجنسی کا اعلان کردیا اور پورے خطے میں سرکار کی طرف سے جانے والی خدمات کو روک دیا گیا اور وہاں ایتھوپیا کی پارلیمنٹ نے عبوری حکومت کے قیام کا اعلان کردیا۔ دراصل یہ کارروائی وزیراعظم ابی احمد کی ان کوششوں کا خاتمہ تھی جس کے ذریعہ ملک کے مختلف طبقات، نسلوں اور قبائل کے درمیان افہام و تفہیم کی شروعات کی گئی اور موجودہ وزیراعظم نے مختلف سب طبقات کو ساتھ لے کر ایک ایتھوپین پیوپلز ریولیوشنری ڈیموکریٹک فرنٹ ای پی آر ڈی ایف بنایا تھا، مگر علیحدگی پسند تگرے پیوپلز ریولیوشن فرنٹ نے قومی اسٹریم میں شامل نہ ہونے کا فیصلہ کیا تھا اور یہی اس تصادم اور خانہ جنگی کی بنیاد ہے۔ دراصل ابی احمد پڑوسی ملک اریٹیریا کے ساتھ ۲۰ سال تک چلنے والے سرحدی تنازعہ ختم کرنے کے لیے پوری دنیا میں مشہور ہوئے اور اس پیش رفت کے لیے اس کو نوبیل انعام برائے امن دیا گیا۔ ◻◻

ایران: منشیات کی روک تھام کیلئے حکومت کا انوکھا قدم

ایرانی پارلیمنٹ میں ایک اہم قانون کی منظوری کے بعد تہران حکومت منشیات کی روک تھام اور اُس کے منفی اثرات میں کمی کے لئے ملک بھر میں منشیات کے عادی افراد اور نوجوانوں میں خود منشیات تقسیم کرے گی۔ اقدام کا مقصد منشیات فروشوں اور ڈرگ اسمگلروں کا نیٹ ورک توڑنا ہے۔ ایرانی میڈیا کے مطابق حکومت نے ملک بھر میں منشیات کے عادی افراد کا ڈیٹا مرتب کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ ان افراد کو حکومتی اداروں کی مدد سے ہلکے نشہ کے اثرات والی منشیات، واؤچرز کے ذریعے فراہم کی جائے گی تاکہ افراد کی صحت کو یکسر بربادی سے بچایا جائے۔ اس دوران حکومت ڈیٹا پروسیسنگ میں آنے والے لاکھوں نشہ خور افراد کا علاج بھی کرائے گی۔ ایک اعلیٰ ایرانی عہدیدار کا کہنا ہے کہ ایرانی انقلاب ۱۹۷۹ء سے قبل بھی شاہ ایران رضا شاہ پہلوی کے دور حکومت میں منشیات کی تباہی سے نئی نسل کو روکنے کے لئے واؤچرز کی مدد سے کم نشہ والی منشیات کو استعمال کنندگان میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ اب موجودہ اسلامی حکومت بھی اسی طرز پر منشیات کے عادی افراد کو موت کے منہ میں جانے سے بچانے کے لئے ایک جانب ان کو کمتر نشہ والی منشیات فراہم کرے گی اور دوسری جانب ایسے تمام منشیات کے عادی مریضوں کا علاج بھی ممکن بنائے گی۔ شاہ ایران کے دور میں منشیات کے حکومتی تقسیم کا حوالہ دینے والے ایرانی حکام کا کہنا ہے کہ اس وقت بھی شاہ ایران کے دور کے تمام مذہبی عمائدین اور حکومتی عمال میں اس طریقہ کار اور حکمت عملی پر اتفاق پایا جاتا تھا اور حالیہ ایام میں بھی اعلیٰ ایرانی مذہبی اتھارٹی نے اس سلسلے میں گرین سگنل دے دیا ہے۔ ایرانی نیوز ایجنسی 'ٹرینڈ نیوز' نے ایک دلچسپ خبر میں انکشاف کیا ہے کہ ایرانی پارلیمنٹ نے منشیات کی تباہ کاریوں کو دیکھتے ہوئے مکمل قوانین برائے انسداد منشیات میں تبدیلیاں کی ہیں۔ اس سلسلہ میں ایرانی صحافی فرہاد و دانشور نے بتایا کہ ایرانی حکومت منشیات کی تباہی سے ایران کی نئی نسل کی بربادی کو محفوظ رکھنے کے لئے انتہائی اقدامات میں مشغول ہے، جس کے تحت ایرانی پارلیمنٹ کی جوڈیشیل اینڈ لیگل کمیٹی کے ترجمان حسن نورزئی کا کہنا ہے کہ ایرانی پارلیمنٹ میں انسداد منشیات کے نئے قوانین کا مسودہ موجود ہے۔ اس کے تحت اب ایران میں ۱۰۰ کلوگرام سے کم افیون رکھنے یا منتقل کرنے یا فروخت کرنے والے فرد یا منشیات تاجر کے لئے سزائے موت کا قانون ختم کر دیا گیا ہے۔ جبکہ اسی طرز پر ہر اس فرد کو موت کی سزا نہیں دی جاسکے گی جس کے پاس سے بیک وقت دو کلوگرام منشیات کی تیاری کا سامان برآمد ہوگا۔

واضح رہے کہ جون ۲۰۱۷ء میں ایرانی اخبار 'پیوند' نے بتایا تھا کہ صرف گزشتہ چھ برس کا ریکارڈ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ایران میں منشیات کے استعمال کنندگان میں دوگنا اضافہ ہوچکا ہے جس نے حکومت کی نیند اڑادی ہیں۔ ایرانی حکومت اور انسداد منشیات محکمے کا کہنا ہے کہ ایران میں ۹۵ فیصد منشیات اور اس کا خام مال افغانستان سے خصوصی نیٹ ورکس کی مدد سے لایا جاتا ہے۔ جبکہ ۳۰ فیصد منشیات کو ایرانی بندرگاہوں اور سرحدی گزرگاہوں سے یورپی ممالک میں بھیجا جاتا ہے اور باقی ماندہ منشیات کو خلیجی ممالک اور ایشیا میں لایا جاتا ہے جس پر روک لگانا حکومت کی پہلی ترجیح بن گئی ہے۔ ◻◻

مالدیپ: ایک بار پھر انڈیا آؤٹ مہم

مالدیپ کے سابق صدر عبداللہ یامین منی لانڈرنگ کیس میں رہائی کے بعد پھر سے سرگرم ہوگئے ہیں، یامین کی پارٹی نے ان کی سرکردگی میں انڈیا آؤٹ مہم میں شدت پیدا کی ہے۔ یامین کی مالدیپ پروگریسیو پارٹی ملک میں ہندستانی فوج کی موجودگی کے خلاف مہم چلارہی ہے جبکہ مالدیپ کی حکومت نے مالدیپ میں ہندستانی فوج کی موجودگی کی تردید کی ہے۔ یامین کی پارٹی کے کارکن ایسے سرخ ٹی شرٹ پہنے ہوئے ہیں جن پر ''ہندستان باہر جاؤ'' کے نعرے نمایاں طور پر لکھے ہیں۔ یہ ٹی شرٹ سوشل میڈیا پر انڈیا آؤٹ ٹیگ کے ساتھ گشت کررہے ہیں۔ مالدیپ کی حکومت نے کہا ہے کہ ہندستان کے خلاف جھوٹا اور گمراہ کن پروپیگنڈہ تشویش کا باعث ہے۔ اس طرح عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور گمراہ کن مہم چلائی جارہی ہے۔ مالدیپ کے سرکاری بیان میں کہا گیا کہ ہندستان مالدیپ کا گہرا دوست ملک ہے، حکومت کا کہنا ہے کہ مٹھی بھر لوگ اور چند سیاسی شخصیتیں ہند مخالف مہم چلارہی ہیں۔ حکومت مالدیپ کا کہنا ہے کہ پڑوسی ممالک کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے نفرت بھری مہم چلانے اور جھوٹ پھیلانے کا مقصد بااعتماد حلیف ممالک کے ساتھ تعلقات کو بگاڑنا ہے، اس قسم کی مہم سے مالدیپ کا وقار اور مالدیپ کے عوام کے مفادات خطرہ میں پڑ سکتے ہیں۔ حالیہ ہفتوں میں حکومت کی طرف سے اس قسم کا جاری کیا گیا یہ دوسرا بیان ہے۔ ۱۷/نومبر کو حکومت نے ہندستان کے ساتھ تعلقات کے حوالہ سے کیے جارہے جھوٹے پروپیگنڈہ کی مذمت کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہندستان تو مالدیپ کا قریبی حلیف اور بااعتماد پڑوسی ملک ہے۔ ہندستان اور مالدیپ کے تعلقات اس وقت بگڑنے لگے تھے، جب ۲۰۱۳ء سے ۲۰۱۸ء تک یامین کی حکومت قائم تھی، یامین (باقی ص۱۴ پر)

دریچۂ پاکستان — سلیم صافی

افغانستان:... اور پاکستان پھنس گیا؟

پاکستان بھی عجیب ملک ہے۔ یہ اب تک بغیر کسی قومی سلامتی پالیسی کے چل رہا ہے۔ صرف قومی سلامتی پالیسی نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس ملک کی کوئی مستقل خارجہ پالیسی بھی نہیں۔

ہر ملک کی خارجہ پالیسی کے بنیادی اصول متعین ہوتے ہیں اور شارٹ ٹرم کے ساتھ ساتھ ہر ملک لانگ ٹرم خارجہ پالیسی بنا کر چلتا ہے لیکن پاکستان کی کوئی مستقل خارجہ پالیسی نہیں بلکہ مختلف ممالک کے اقدامات کے جواب میں ہمارے ردِعمل کا نام خارجہ پالیسی ہے۔

سب سے بڑھ کر یہ کہ ہمارے خارجہ محاذ کے دو بنیادی کرداروں یعنی ہندوستان اور افغانستان سے متعلق بھی ہماری کوئی لانگ ٹرم پالیسی نہیں۔ ہم یہ فیصلہ بھی نہیں کرسکے کہ ہم نے ہندوستان کے ساتھ مکمل مخاصمت کی پالیسی رکھنی ہے یا پھر چین کی طرح اپنے موقف پر اصرار کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم رکھ کر اپنے مقاصد حاصل کرنے ہیں۔

ہندوستان عمل کرتا ہے اور ہم ردِعمل ظاہر کردیتے ہیں اور یہ ہماری ہندوستان کے حوالے سے پالیسی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ کشمیر سے متعلق بھی ہماری کوئی لانگ ٹرم مستقل پالیسی نہیں۔

امریکہ سے واپسی پر عمران خان جشن منا رہے تھے اور یہ توقع لگائے بیٹھ گئے کہ اب ڈونلڈ ٹرمپ ثالث بن کر کشمیر کا مسئلہ حل کرادیں گے لیکن پھر جب مودی نے ٹرمپ کی شہ پر مقبوضہ کشمیر کی حیثیت تبدیل کی تو اس وقت سے لے کر آج تک ان کی حکومت کشمیریوں کو کوئی کاغذی لائحہ عمل بھی نہیں دے سکی۔

ہم ابھی تک اس بات کا تعین نہیں کرسکے کہ ہم نے کشمیریوں کے معاملے پر انسانی حقوق کی بنیاد پر بات کرنی ہے، مذہب کی بنیاد پر یا پھر عالمی سفارتی حقائق کی بنیاد پر۔ بیس سال قبل تک ہماری ہمدردیاں جہاد کو کشمیر کی آزادی کا راستہ قرار دینے والوں کے ساتھ رہیں لیکن اب جبکہ ان سے ہمدردی کا اظہار مشکل ہوگیا ہے تو ہم نے انہیں کوئی متبادل لائحہ عمل بھی نہیں دیا۔

ہم ابھی تک آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کی آئینی حیثیت کے بارے میں قومی اتفاق رائے پیدا نہ کرسکے۔ یہی صورت حال افغانستان سے متعلق ہے۔ افغانستان کے محاذ پر ہمارے پاس بے تحاشہ سافٹ پاور ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم نے کبھی یکسوئی کے ساتھ باقی آپشنز سے توبہ کرکے اس کو استعمال کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔

گزشتہ تین دہائیوں سے ہماری افغان پالیسی یا تو ہے نہیں اور اگر تھی تو مفروضوں پر مبنی تھی۔ ہم آنکھیں بند کرکے مجاہدین کو سپورٹ کرتے رہے اور اس سپورٹ کے اثرات کو مدنظر نہیں رکھا۔

جب سوویت یونین نکلا تو پاکستان کے ہر شہر میں جشن منایا گیا لیکن پھر ان مجاہدین نے جس طرح افغانستان کو تباہ کیا، وہ سوویت یونین بھی نہیں کرسکا تھا۔ مجاہدین مخالف افغانی تو اس دور میں ہمارے دشمن بن گئے تھے۔

پھر ہم نے مجاہدین میں حکمتیار کو چن لیا کیونکہ احمد شاہ مسعود بطور افغان ہماری تابعداری کے لیے تیار نہیں تھے۔ یوں حکمتیار کے سوا باقی مجاہدین کو ہم نے اپنا دشمن بنالیا۔

پھر جب طالبان ابھرے تو حکمتیار کے مقابلے میں طالبان کو سپورٹ کرکے ہم نے حکمتیار اور ان کے چاہنے والوں کو ناراض کیا۔ نائن الیون کے بعد طالبان کے مقابلے میں امریکہ کا اتحادی بن کر اور ان کے خلاف اپنے اڈوں اور راستوں کی اجازت دے کر ہم نے افغان طالبان اور ان کے حامیوں کو ناراض کیا۔ بعض طالبان لیڈروں کو پاکستان میں گرفتار کیا، بعض کو امریکہ کے حوالے کیا، کچھ یہاں مارے بھی گئے لیکن دوسری طرف ہم امریکہ کو بھی راضی نہ رکھ سکے۔ امریکہ اور اس کے ساتھیوں کو مسلسل یہ شکایت رہی کہ ہم ان کے ساتھ ڈبل گیم کررہے ہیں۔

حامد کرزئی پاکستان کی مدد سے حکمران بنے اور اسلام آباد سے بطور حکمران کابل گئے تھے لیکن کچھ عرصہ بعد وہ بھی ہمارے رویے سے تنگ آکر مخالف بن گئے۔ پھر ہم نے اشرف غنی کو تخت نشین کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا اور انتخاب میں کامیابی کے لیے انہیں کئی ملین ڈالر بھی تھمادیے لیکن انہیں بھی دوست نہ رکھ سکے۔

گزشتہ بیس سال میں ہماری افغان پالیسی تین مفروضوں پر مبنی رہی۔ اول یہ کہ افغانستان میں امریکہ کی موجودگی فساد کی جڑ ہے۔ دوم یہ کہ اشرف غنی، حامد کرزئی اور عبداللہ عبداللہ وغیرہ پاکستان کے دشمن اور طالبان پاکستان کے دوست ہیں۔ سوم تحریک طالبان افغانستان اور تحریک طالبان پاکستان کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔

اب جب امریکہ نکل گیا تو ہم نے رونا دھونا شروع کردیا کہ امریکہ کے جلد نکلنے کی وجہ سے مسائل پیدا ہوئے اور یقیناً پیدا ہوگئے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ جب ہم جیسے طالب علم چیختے رہے کہ امریکہ اور طالبان کی ڈیل سے بین الافغان مفاہمت زیادہ ضروری ہے تو اس پر توجہ کیوں نہیں دی گئی۔

سوال یہ ہے کہ بین الافغان مفاہمت سے پہلے ہم نے امریکہ اور طالبان کی ڈیل میں کیوں تعاون کیا؟ اشرف غنی بین الافغان مفاہمت کی راہ میں رکاوٹیں ڈالتے رہے تو ہم نے امریکہ کے ذریعے ان پر دباؤ کیوں نہیں ڈالا؟ اسی طرح اب ہمیں شکایت پیدا ہونے لگی ہے کہ طالبان بات نہیں مانتے حالانکہ ہم جیسے طالب علم برسوں سے یہ دہائی دے رہے ہیں کہ سب افغانوں کو ایک نظر سے دیکھو۔ اب جب وہ فاتح بن کر ابھرے ہیں۔ ان کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ ہم نے برطانیہ اور سوویت یونین کے بعد امریکہ جیسی طاقت کو شکست دی تو وہ پاکستان جیسے ملک کی بات کیوں مانیں؟ ڈکٹیشن لینا کسی افغان کے مزاج میں نہیں اور طالبان تو قطعاً نہیں لیں گے۔ یوں ایک طرف ہم طالبان کے وکیل ہیں۔ دوسری طرف ان کی حکومت کا معاشی بوجھ ہمیں اٹھانا پڑ رہا ہے۔

تیسری طرف دنیا اور طالبان مخالف افغان طالبان کی وکالت کی وجہ سے پاکستان پر غصہ ہیں اور چوتھی طرف وہ ہمارے مطالبات اس طرح نہیں مان رہے ہیں جس طرح ہم منوانا چاہتے ہیں۔

پھر سوال یہ ہے کہ ہم افغانستان کو افغانوں کے حوالے کرنے کی بجائے ان کے مامے چاچے کیوں بنتے ہیں؟ ادھر تیسرے مفروضے کے بارے میں سب پر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ تحریک طالبان پاکستان، تحریک طالبان افغانستان کا حصہ ہے اور افغان طالبان کی فتح ان کی بھی فتح ہے۔

عجیب تماشہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے مفروضوں پر مبنی یہ افغان پالیسی بنائی، چلائی یا پھر اس کی حمایت کی، وہ قوم سے معافی مانگنے کی بجائے سینہ تان کر تبصرے کررہے ہیں۔

ہفت روزہ
الجمعیۃ
نئی دہلی
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اضافہ آبادی کا پروپیگنڈہ
ووٹ بینک کی سیاست کا حصہ

ہندستان میں، جو ایک آزاد جمہوری اور سیکولر ملک ہے، اقلیتوں خاص طور پر مسلمانوں کے لیے فرقہ پرست طاقتوں نے جو صورتحال بنادی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ان کے خلاف وہ تمام حربے اور پروپیگنڈے استعمال کیے جارہے ہیں جو انھیں ملک کا دوسرے درجہ کا شہری بنادینے میں مددگار ہوسکیں۔ بعض مرتبہ تو ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ یہ فرقہ پرست عناصر جو تعداد میں کم ہوتے ہیں، اپنے آپ کو ملک کا مالک ہی سمجھنے لگتے ہیں۔ وہ یہ طے کرنے لگتے ہیں کہ لوگ کیا کھائیں، کیا پئیں اور کیا پہنیں، ابھی حال ہی میں گجرات کے احمد آباد میں جس طرح ریڑھی پٹری والوں کو وہاں کی کارپوریشن نے گوشت اور اس سے بنی ہوئی چیزوں کو فروخت کرنے کے الزام میں روزگار سے محروم کیا وہ اس کی تازہ مثال ہے۔ یہ تو اچھا ہوا کہ کچھ لوگ ہائی کورٹ چلے گئے اور ہائی کورٹ نے کارپوریشن کے افسران کی سرزنش کرتے ہوئے ان سے پوچھا ہے کہ وہ لوگوں کے کھان پان کا تعین کرنے والے کون ہوتے ہیں۔ گائے کے گوشت کے نام پر ماب لنچنگ کی وارداتوں کو بھی ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزا اور اس کے زخم ابھی بھی تازہ ہیں۔ ہریانہ کے گروگرام میں جمعہ کی نماز پڑھنے سے روکنے کا واقعہ اور خود وزیر اعلیٰ کا یہ بیان کہ کھلے میں نماز ادا کرنا برداشت نہیں کیا جائے گا، ابھی بالکل تازہ واقعہ ہے۔ ان واقعات کے علاوہ اضافہ آبادی کا پروپیگنڈہ بھی بڑے پیمانے پر جاری ہے۔ یہ فرقہ پرست ملک کی اکثریت کو یہ باور کرانے کی کوشش میں ہیں کہ ملک میں مسلمانوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے اور اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو وہ اکثریت میں آکر اقتدار پر قابض ہوجائیں گے جبکہ سچائی یہ ہے کہ فرقہ پرستوں کا یہ پروپیگنڈہ محض ان کا مفروضہ ہے جسے وہ محض اپنے ووٹ بینک کو مضبوط کرنے کے لیے استعمال کررہے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی اضافہ آبادی کے ساتھ بنگلہ دیش سے آنے والے مسلمانوں کا مسئلہ بھی اُٹھاتے رہتے ہیں مگر ان دونوں موضوعات پر انھیں حال ہی میں اس وقت زبردست جھٹکا لگا جب خود ملک کے کچھ معتبر اداروں کے تیار کردہ اعداد وشمار نے ان کے ان مفروضات کی بنیاد ہی ہلا ڈالی۔ یہ رپورٹ امریکہ کے پیو ریسرچ سینٹر نے ملک میں اقلیتوں اور اکثریت کی آبادی میں اضافہ کا جائزہ لے کر تیار کی ہے۔ پیو ریسرچ سینٹر کے تجزیہ کے مطابق اگرچہ آزادی کے بعد کی پہلی دہائی میں مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ دیکھنے کو ملا تھا مگر جلد ہی وہ کم ہوتا چلا گیا اور یہ ممکن ہے کہ بہت جلد دونوں قوموں کی آبادی میں اضافہ کا تناسب برابری پر آجائے گا۔ اس لیے کہ ۱۹۵۱ء میں مسلمان قریب دس فیصد تھے جبکہ ۲۰۱۱ء میں ۲۵ء۱۴ فیصد ہوگئے ہیں۔ وہیں ہندوؤں کا حصہ اسی دوران تقریباً ۸۴ فیصد سے گھٹ کر ۸۰ فیصد پر آگیا ہے، اس طرح چھ دہائیوں کے دوران آبادی میں مسلمانوں کا حصہ تقریباً ساڑھے چار فیصد بڑھا ہے جو اچانک ایک دم نہیں بڑھ گیا بلکہ یہ اضافہ آہستہ آہستہ ہوا ہے، پھر بھی اگر یہی ٹرینڈ باقی رہا تو بھی اس صدی کے آخر تک آبادی میں مسلمانوں کا حصہ بیس فیصد سے بھی کم ہی رہے گا، کیونکہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے بچے پیدا ہونے کی شرح میں جو فرق ہے وہ تیزی سے کم ہورہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ دونوں کا حصہ جلد ہی ایک جیسا ہوجائے۔

۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۵ء تک کا جو نیشنل فیملی ہیلتھ سروے کیا گیا وہ شرح پیدائش سے وابستہ اعداد وشمار کا سب سے معتمد ذریعہ ہے۔ اس دوران مسلمانوں میں پیدائش کی شرح ۴ء۴ سے گھٹ کر ۶ء۲ پر آگئی ہے، جبکہ ہندوؤں میں یہ شرح پیدائش کم ہوکر ۱ء۲ پر آگئی ہے لیکن ان کے گھٹنے کی رفتار مسلمانوں کے مقابلے کافی سست رہی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے رضا کارانہ طور پر فیملی پلاننگ کو خواہ تاخیر سے اپنایا ہو لیکن اب اس پر عمل کرنے میں وہ ہندوؤں سے بھی سبقت لے رہے ہیں۔

ایک وقت تھا جب ایسے خاندانوں میں پیدا ہونے والے بچوں میں سے آدھے بچے بچپن میں ہی انتقال کرجاتے تھے۔ ایسے میں ماں باپ اس لیے بھی بچہ کی پیدائش پر زور دیتے تھے کہ جو زندہ رہ جائیں گے ان کے بڑھاپے میں سہارا بنیں گے لیکن آمدنی بڑھنے کے ساتھ ساتھ والدین کو یہ سمجھ میں آنے لگا ہے کہ جو کچھ ان کے پاس ہے، اسے وہ کچھ بچوں کو بہتر بنانے کے لیے ان کی تعلیم وتربیت پر لگائیں تاکہ ان کی زندگی اچھی بنے۔ اسی وجہ سے آمدنی بڑھنے کے ساتھ شرح پیدائش میں کمی بھی دیکھی جارہی ہے۔ پوری دُنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہندستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی پیدائش ریٹ میں نظر آرہی کمی کوئی خاص نہیں ہے۔ مسلمانوں کی مالی حالت چونکہ کمزور ہے لہٰذا انھیں ۱ء۲ فیصد کے پیدائشی حد تک پہنچنے میں زیادہ وقت لگے گا۔ پیدائشی ریٹ ۱ء۲ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر عورت کے اوسطاً دو بچے ہی ہوں گے۔ اس طرح وہ آبادی میں آگے چل کر اپنے والدین کی جگہ لیں گے اور آبادی میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔

ہندستان میں مسلمانوں کے بالمقابل ہندوؤں کی آبادی بڑھنے کی رفتار کم ہونے کی اپنی روایتی وتاریخی وجوہات بھی ہیں، سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ ہندو روایت میں بیوہ کی شادی نہیں ہوتی، وہیں مسلمانوں میں جلد دوبارہ شادی کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ پھر گزشتہ دہائیوں میں مردوں کی شرح اموات آج کے مقابلہ زیادہ تھی۔ ہندوؤں میں نابالغوں کی شادیاں عام تھیں اور اگر دولہا بچہ بلوغت کی عمر سے پہلے ہی مرگیا تو لڑکی بال ودھوا ہوجاتی تھی۔ ایسی صورت میں اس کے بچے پیدا کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ روزی روٹی کے لیے گھر چھوڑ کر دور دراز جانے کا بھی آبادی پر اثر ہوتا رہا ہے۔ مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوؤں میں ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ ہوتی تھی جو روزی کمانے پردیس چلے جاتے تھے۔ بیوی سے دور رہنے کا مطلب یہ تھا کہ بچے کم ہی ہوں گے۔

پیو سینٹر نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ ۱۹۹۲ء میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان پیدائشی فرق ۱ء۱ بچوں کا تھا یعنی مسلم خاتون ہندو عورت کے مقابلے اوسطاً ایک بچہ زیادہ پیدا کررہی تھی۔ ۲۰۱۵ء تک پہنچتے پہنچتے یہ فرق ۵ء۰ پر آگیا۔ اگر یہی ٹرینڈ بنا رہا تو بمشکل بیس سال میں یہ فرق بھی ختم ہوجائے گا۔ یعنی کل ملاکر بات یہ ہوئی کہ چاہے جو کہا جارہا ہو ہندستان میں ہندوؤں کی اکثریت کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ آبادی میں تمام طبقوں کی حصہ داری میں جو تبدیلی آرہی ہے اس کی ایک اور وجہ ذہنی تبدیلی بھی ہے۔ ہندستان سے باہر جانے والوں کی تعداد غیر ممالک سے یہاں آنے والوں کے مقابلہ تین گنی ہے۔ ہندستان میں پیدا ہوئے تقریباً ڈیڑھ کروڑ لوگ ۲۰۱۵ء میں غیر ممالک میں رہ رہے تھے۔ وہیں دوسرے ملک میں پیدا ہوئے، ہندستان میں رہ رہے لوگوں کی تعداد محض ۵۶ لاکھ تھی۔ ان میں سب سے زیادہ بنگلہ دیش سے ۳۲ لاکھ لوگ آئے تھے جبکہ پاکستان سے گیارہ لاکھ، نیپال سے پانچ لاکھ ۶۵ ہزار اور سری لنکا سے ایک لاکھ ساٹھ ہزار لوگ آئے جو سب ہندو ہی ہیں۔

اگر مسلمانوں کی غیر ملکی آمد ورفت کی بات کریں تو ہندستان آنے والوں سے کہیں زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے جو یہاں سے غیر ممالک گئے ہیں۔ سرکاری اعداد وشمار کے مطابق ہندستان کی آبادی میں مسلمانوں کا حصہ تقریباً ۱۴ فیصد ہے تاہم ہندستان سے باہر جانے والوں میں ان کا حصہ ۲۷ فیصد ہے جبکہ مجموعی آبادی میں ہندو ۷۹ فیصد ہیں اور غیر ممالک جانے والوں میں ان کا حصہ ۴۵ فیصد ہے۔

یہ تمام معلومات ہم نے جو آپ کے سامنے پیش کی ہیں ان سے جو تصویر بن رہی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہندستان میں ہندوؤں کی اکثریت کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے اور مسلمانوں کی تعداد اور باہر سے آنے والوں کے بارے میں سنگھی ٹولہ چاہے جتنا شور مچائے اس کے الزامات میں کوئی سچائی نہیں ہے۔ یہ صرف ووٹ بینک کی سیاست ہے اور مقصد صرف یہ ہے کہ بلاوجہ کا خطرہ دِکھا کر ہندوؤں کو ڈرانے کی کوشش کی جائے تاکہ ان کے ووٹ مل سکیں۔ بی جے پی اور سنگھ کا پروپیگنڈہ بھی یہ ہی ہے کہ اگر انھیں ووٹ نہ دیا گیا تو ملک میں اقلیتیں اکثریت میں آجائیں گی اور ہندو جو آج اکثریت میں ہے اقلیت میں آجائے گا اور پھر اقلیتیں انھیں اقتدار سے بے دخل کرنے میں کامیاب ہوجائیں گی۔ □□

جواھر القرآن

سورۂ الاحزاب-۳۳ | ترجمہ آیات: ۵ | **حضرت شیخ الهندؒ**

○ پکارو لے پالکوں کو ان کے باپ کی طرف نسبت کرکے، یہی پورا انصاف ہے اللہ کے یہاں (ف۱) پھر اگر نہ جانتے ہو ان کے باپ کو تو تمہارے بھائی ہیں دین میں اور رفیق ہیں (ف۲) اور گناہ نہیں تم پر جس چیز میں چوک جاؤ پر وہ جو دل سے ارادہ کرو اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان (ف۳)

فوائد: —— **علامہ شبیر احمد عثمانیؒ**

ف۱ یعنی ٹھیک انصاف کی بات یہ ہے کہ ہر شخص کی نسبت اس کے حقیقی باپ کی طرف کی جائے، کسی نے لے پالک بنالیا تو وہ واقعی باپ نہیں بن گیا۔ یوں شفقت ومحبت سے کوئی کسی کو مجازاً بیٹا یا باپ کہہ کر پکارلے وہ دوسری بات ہے۔ غرض یہ کہ نسبی تعلقات اور ان کے احکام میں اشتباہ والتباس واقع نہ ہونے پائے۔ ابتدائے اسلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو آزاد کرکے متبنّیٰ کرلیا تھا۔ چنانچہ دستور کے موافق لوگ انھیں زید بن محمد کہہ کر پکارنے لگے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو سب زید بن حارثہ کہنے لگے۔

ف۲ یعنی اگر باپ معلوم نہ ہو تو بہرحال تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں۔ ان ہی القاب سے یاد کرو۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ کو فرمایا: انت اخونا ومولانا۔

ف۳ یعنی بھول کر یا نادانستہ اگر غلط کہہ دیا کہ ''فلاں کا بیٹا فلاں'' وہ معاف ہے۔ بھول چوک کا گناہ کسی چیز میں نہیں، ارادہ کا ہے۔ اس میں بھی اللہ چاہے تو بخش دے۔

انوار احادیث

● حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اس کلمہ کو قبول کرلے جس کو میں نے اپنے چچا (ابوطالب) پر (ان کے انتقال کے وقت) پیش کیا تھا اور انھوں نے اُسے رد کردیا تھا وہ کلمہ اس شخص کے لیے نجات (کا ذریعہ) ہے۔ (مسند احمد)

ہندستان کی سرحدی ریاستوں میں ایک ناپسندیدہ قانون ہے افسپا

کیا حکومت اس پر غور کرے گی؟

صفحہ اوّل کا بقیہ

بی جے پی کی ناگالینڈ یونٹ سمیت شمال مشرق کی زیادہ تر اہم سیاسی پارٹیاں افسپا کو ختم کرنے کا مطالبہ کرتی رہی ہیں۔ میگھالیہ اور ناگالینڈ میں بی جے پی کے اتحادی و معاون پارٹیوں کی حکومتوں کے وزیر اعلیٰ بھی یہ مطالبہ کرتے رہے ہیں۔ دراصل یہ قانون اپنے آپ میں کسی درندے سے کم نہیں ہے اس لیے کہ فوج کو قانون کے تحت من مرضی کرنے اور اس کی جواب دہی سے بچ نکلنے کا اختیار اور حق ملا ہوا ہے اسی لیے لوگوں کا کہنا ہے کہ چونکہ یہ ایک طرف عوام کو خوف زدہ کررہا ہے اور دوسری طرف مسلح افواج میں انارکی کو جنم دے رہا ہے جس کا ثبوت مون ضلع کی یہ غیر فطری واردات ہے، اس لیے اب افسپا ختم کرنے کا وقت آ گیا ہے، مگر سوال یہ ہے کہ جو حکومت بی ایس ایف کی سرحدوں میں توسیع کرتی جارہی ہے کیا اس ظالم اور سیاہ قانون کو ختم کرسکتی ہے۔ اس سلسلہ کی ایک تلخ سچائی یہ ہے کہ ان سب کے باوجود یہ قانون رد ہونے والا نہیں ہے۔ آج تک کسی بھی سیاسی پارٹی نے اس پر غور نہیں کیا۔ یہاں تک کہ یو پی اے نے بھی اپنے دس سالہ دور حکومت میں اس پر خاموشی ہی اختیار کیے رکھی، پھر آخر بی جے پی حکمرانوں سے اس کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔ تشدد تو اس کا بنیادی پتھر ہے، جہاں تک افسپا کو ختم کرنے کا سوال ہے، ظاہر ہے بظاہر حالات یہ ممکن نہیں ہے اس لیے کم از کم ناگالینڈ میں اس خطرناک حادثہ کے بعد اس میں کسی حد تک نرمی تو لائی جاسکتی ہے، یہ ایک موقع ہے جسے بہرحال ضائع نہیں کیا جانا چاہیے۔ چونکہ قانون واپس نہیں لیا جائے گا اس لیے اس معاملہ میں ضرورت کے مطابق استعمال کے اصول کی امید پر غور کرنا چاہیے۔ آج یہ قانون مندرجہ ذیل ریاستوں میں نافذ ہے: (۱) جموں وکشمیر، آسام اور ناگالینڈ کے مرکز کے زیر انتظام علاقے (۲) امپھال کارپوریشن کے علاقوں کے علاوہ پورے صوبہ منی پور (۳) اروناچل پردیش کے مشرقی اضلاع تیرپ، چانگ لانگ اور لونگ ڈنگ اور نام سائی ضلع کے نمسائی اور مہادیو پور پولیس تھانہ علاقے۔

منی پور میں سرحدی علاقوں میں متفرق وارداتیں ہوتی رہتی ہیں، بدقسمتی سے حال ہی میں چوڑ چندر پور ضلع میں آسام رائفلز کے کمانڈنگ افسر، ان کی اہلیہ، بیٹے اور چار جوانوں کو ہلاک کردیا گیا لیکن بڑے پیمانے پر نظر ڈالیں تو اس ریاست کا زیادہ تر حصہ مجموعی طور پر پرامن ہے۔ اس میں تنگ کھل ضلع کو شامل کیا جاسکتا ہے جو کبھی ناگا باغیوں کا مرکز رہا ہے۔ اب سمجھداری بھرا قدم یہی ہوگا کہ ریاست میں میانمار کی سرحد سے ملے اس کے ۲۵ سے تیس کلومیٹر علاقے کے علاوہ زیادہ تر حصوں سے افسپا کو ہٹا دیا جائے یا پھر اس میں نرمی کردی جائے۔

سوال یہ ہے کہ پورے آسام کو افسپا کے اندر کیوں رکھا جائے، وہاں کبھی کبھی کم صلاحیت کے دھماکے ہوتے رہے ہوں گے لیکن اس طرح کے ایک دو دھماکے پنجاب کے ساتھ ملک کے کئی دوسرے علاقوں میں بھی ہوتے رہتے ہیں۔ پنجاب میں ۱۹۸۳ء سے ۱۹۹۷ء تک افسپا رہا۔ جب دہشت گردی ختم ہوگئی تو افسپا کو بھی ہٹا لیا گیا، پھر آسام کو اس سے کیوں محروم رکھا جائے؟ خاص طور پر اس لیے بھی کہ اب وہاں دہشت گردی پوری طرح دم توڑ چکی ہے۔ وہاں الفا تقریباً ختم ہوچکا ہے، اس کے زیادہ اہم لوگ قومی سیاست میں شامل ہوگئے ہیں۔ اگر بوڈو علاقوں میں بے چینی بڑھتی ہے یا شمالی علاقوں، ہلس ایریا میں باقی بچے آدی واسی گروہ شرارت کرتے ہیں تو نیم فوجی دستے جیسے وسط ہندستان میں نکسلیوں سے لڑتے ہیں ویسے ہی یہاں بھی کارروائی کرسکتے ہیں؟ اگر اس بغاوت کے خلاف افسپا کے بغیر لڑا جاسکتا ہے تو ان سے کہیں زیادہ پرامن آسام پر اسے کیوں مسلط رکھا جائے۔

یہی بات ناگالینڈ کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے۔ باغی آدیواسی طبقہ نے ۱۹۷۵ء کے شیلانگ امن معاہدہ کے بعد ہندستانی دستور کو قبول کرلیا تھا اور مین اسٹریم میں شامل ہوگئے تھے۔ جو گروہ چھپ گیا اور مسلسل لڑتا رہا اس کے این ایس سی این (آئی ایم) گروپ نے بھی ۱۹۹۷ء میں جنگ بندی معاہدہ پر دستخط کردیئے تھے۔ اس کے بعد تقریباً ۲۵ سال سے اس ریاست میں پوری طرح امن وامان ہے۔ یہاں تک کہ شمال مشرق میں میزورم کو ۱۹۸۶ء میں امن معاہدہ کے بعد افسپا سے آزاد کردیا گیا۔ کسی کو یاد نہیں ہوگا کہ تقریباً دو دہائیوں سے ناگالینڈ میں فورس نے پہل کرکے کوئی آپریشن کیا ہو۔ تب پوری ریاست کو مکمل طور پر افسپا کی گرفت میں کیوں رکھا جائے، یہ ایک اہم سوال ہے۔ حکومت کا کہنا ہے کہ صوبہ کے سرحدی علاقوں میں این ایس سی این جیسے ایک دو گروپوں نے کی جنگ بندی کو قبول نہیں کیا ہے، نقل وحرکت پر نظر رکھنے کے لیے افسپا لاگو رکھا جانا ضروری ہے اور مون میں جو بے قصور لوگ مارے گئے ہیں ان پر بھی ایسی سرگرمیوں میں شامل ہونے کا شک تھا مگر اسی طرح اروناچل پردیش کے کچھ سرحدی علاقوں کے لیے بھی تو یہی سوچا جاسکتا ہے جس پر چین کی دعویداری کی تلوار لٹکی ہوئی ہے۔ کچھ لوگ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ ناگالینڈ کے یہ علاقے جنگی نقطۂ نظر سے کافی حساس ہیں، وہ میانمار کی سرحد کے قریب آدی واسی قبیلوں کے ایسے علاقے ہیں جو مکمل نگرانی میں ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ پھر باقی ۹۰ فیصد پرامن ناگالینڈ سے افسپا کو بے جھجک کیوں نہیں ہٹایا جاسکتا۔

ملک کے کئی حصوں میں یہ صرف اس لیے بھی نافذ ہے کہ اس قانون کے ذریعہ دستیاب اختیارات ایک طرح سے بیحد مؤثر ہیں جو ایک طرح سے مسلح فورسیز کے لیے حوصلہ کا سبب بنے ہوئے ہیں اور اگر افسپا کو ہٹایا یا نرم کیا جاتا ہے تو ان کا یہ حوصلہ ٹوٹ سکتا ہے مگر سوال پھر وہی ہے کہ ملک کے لیے بے قصور عوام کا تحفظ ضروری ہے یا فورسز کے حوصلوں کا تحفظ؟ جہاں تک مسلح فورسیز کے حوصلوں کی بقا وتحفظ کی ضرورت ہے اس کے حصول کے ذرائع تو اور بھی ہوسکتے ہیں مگر بے قصور عوام کا تحفظ آخر افسپا کی موجودگی میں کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔ یہ سوال بہرحال اپنی جگہ قائم ہے اور اپنے جواب کا منتظر ہے اس لیے کہ اس ظالمانہ قانون کو جھیلنا تو شمال مشرق کے کمزور آدی واسی عوام کو ہی پڑ رہا ہے جو بری طرح کسمپرسی کا شکار ہیں۔ یہاں ایک سوال اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ آخر وہاں کے لوگوں میں علاحدگی کا احساس کیوں ہے؟ اس سوال کو الٹ کر دیکھیں۔ ہندستان میں کشمیر کے باہر بغاوت صرف آدی واسی نکسل علاقوں میں ہے۔ پچھلے دس سالوں میں وہاں ہر سال جتنے گمنام لوگ مارے گئے ہیں اتنے کشمیر میں بھی نہیں مارے گئے۔ پھر بھی آپ اس کا مقابلہ صرف نیم فوجی دستوں کے ذریعہ کیوں کررہے ہیں۔ انھیں آپ افسپا کا تحفظ کیوں نہیں دے رہے ہیں؟ جواب واضح ہے۔ یہ خاص علاقہ ہے، کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ شمال مشرق کے آدیواسی یا کشمیری کمتر ہندستانی ہیں۔ آپ شمال مشرق کا ایک جائزہ لے لیجیے، پڑوسی مشرقی پاکستان ۱۹۷۱ء میں ہماری فوجی طاقت کے سامنے پانی کی بھاپ کی طرح اُڑ گیا تھا جس کے نتیجہ میں بنگلہ دیش وجود میں آیا جو آج ہمارا قریبی دوست ہے، تو پھر شمال مشرق کو امن وسلامتی کا عطیہ دے کر ہم امن حاصل کیوں نہیں کرسکتے، کیا صرف اس لیے کہ آج افسپا اقتدار کا خطرناک نشہ بن چکا ہے۔

یہ بات خوش آئند ہے کہ آج جموں وکشمیر سمیت جن جن ریاستوں اور علاقوں میں افسپا نافذ ہے اس کی زبردست مخالفت ہورہی ہے۔ جموں وکشمیر میں آج بی جے پی کے علاوہ کوئی بھی پارٹی اس قانون کو جاری رکھنے کے حق میں نہیں ہے، یہی حال شمال مشرق کی ریاستوں کا ہے، وہاں ناگالینڈ، میزورم، منی پور وغیرہ میں باقاعدہ وہاں کی مقامی پارٹیاں جن کے کندھوں پر سوار ہوکر وہاں بی جے پی اقتدار کے مزے لوٹ رہی ہے، زبردست مخالفت کررہی ہیں۔ ابھی حال ہی میں ناگالینڈ کے وزیر اعلیٰ اور نیشنل پیپلز پارٹی (این پی پی) کے رہنما کونراڈ کے سنگما کا ایک انٹرویو شائع ہوا ہے، اس میں انھوں نے پوری صفائی کے ساتھ کہا ہے کہ ہماری پارٹی شروع سے ہی افسپا کو ختم کرنے کا مطالبہ کرتی رہی ہے اور آج بھی اپنے اس مطالبہ پر قائم ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ فوج کی طاقت سے شمال مشرق کی ریاستوں میں علیحدگی پسندی کو کبھی ختم نہیں کیا جاسکتا۔ انھوں نے بحیثیت وزیر اعلیٰ کہا کہ ہمیں طاقت چاہیے مگر افسپا جیسی بے لگام طاقت کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس سے کسی بھی طرح کے حل کی امید نہیں ہے، ان کا کہنا ہے کہ افسپا ایک ظالمانہ قانون ہے اور ظالمانہ قانون ہمیشہ منفی اثرات کو جنم دیتا ہے۔

ہمارے خیال میں مرکز کی بی جے پی حکومت جس نے شمال مشرق کے خطہ میں اقتدار کے حصول کے لیے اپنی پوری طاقت جھونک دی تھی، کاش اس نے اس خطہ کے مسائل اور یہاں کئی دہائیوں سے ہونے والی انسانی حقوق کی بدترین خلاف ورزیوں کا باب بھی ہمیشہ کے لیے بند کرنے کی کوشش کی ہوتی تو گزشتہ دنوں ناگالینڈ میں بے قصور شہریوں کو اپنی جان گنوانی نہیں پڑتی۔ اگرچہ شہریوں کی ہلاکت کو حکومت اور فوج دونوں نے غلطی تسلیم کرلیا ہے مگر ابتدا میں ان ہلاکتوں کی پردہ پوشی کی مذموم کوششیں بھی کی گئیں اور حالانکہ مرکز نے اس سانحہ کی تحقیقات کا حکم بھی دے دیا ہے اور فوج نے بھی اپنی طرف سے جانچ کا آغاز کردیا ہے مگر خاطی فوجیوں کو سزا ملنے کے امکانات موہوم ہی نظر آرہے ہیں اس لیے کہ پہلے بھی تحقیقات کے لیے کمیشن قائم کیے گئے مگر ان کے مطلوب نتائج برآمد نہیں ہوئے اور خاطی آج بھی آزاد گھوم رہے ہیں کیونکہ جب تک فوج افسپا جیسے سیاہ قانون کے اسلحہ سے لیس ہوگی، مستقبل میں بھی اس طرح کے واقعات کے اعادہ کو روکنا مشکل ہے۔ یہ بات انتہائی تعجب خیز ہے کہ جس قانون کو انگریزوں نے ۱۹۴۲ء کی ہندستان چھوڑو تحریک کو کچلنے کے لیے وضع کیا تھا، وہ ملک کی آزادی کے ۷۴ سال بعد بھی برقرار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف شمال مشرق بلکہ کشمیر میں بھی اس سیاہ قانون سے دستبرداری کا مطالبہ عرصہ دراز سے ہورہا ہے۔ ناگالینڈ کی ہلاکتوں کے بعد گویا اس مطالبہ کو ایک نئی زندگی مل گئی ہے۔

یو اے پی اے کے خلاف تحریک چلانے والے جہدکاروں کے گروپ ایم یو آر ایل نے ناگالینڈ میں فوج کے ہاتھوں شہریوں کی ہلاکتوں کی مذمت کرتے ہوئے تمام سرحدی ریاستوں میں افسپا سے دستبرداری کا مطالبہ کیا ہے۔ تنظیم کے صدر جسٹس بی جی کولسے پاٹل کا یہ کہنا صد فیصد درست ہے کہ شمال مشرقی اور دیگر سرحدی ریاستوں میں فوجیوں کے ہاتھوں ہندستانی شہریوں کی بے لگام حراست، اذیت رسانی، تباہی، قتل کی اصل وجہ افسپا ہی ہے اور اس قانون سے دستبرداری کا مطالبہ کوئی نیا بھی نہیں ہے۔ منی پور کی جہدکار ارم شرمیلا نے افسپا کے خلاف سولہ سال تک بھوک ہڑتال کی۔ ۲۰۰۴ء میں یو پی اے حکومت نے اس قانون کا جائزہ لینے کے لیے سپریم کورٹ کے سبکدوش جج جسٹس جیون ریڈی کی قیادت میں پانچ رکنی کمیشن قائم کیا تھا۔ کمیشن نے ۲۰۰۵ء میں اپنی رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ افسپا استبداد کی علامت بن گیا اور اس سے دستبرداری کی سفارش کی۔ ویرپا موئلی کی قیادت میں دوسرے انتظامی اصلاحات کمیشن نے بھی جیون ریڈی کمیشن کی سفارشات کی حمایت کی۔ بعد ازاں یو پی اے نے کابینہ کی ذیلی کمیٹی تشکیل دی تھی مگر این ڈی اے حکومت نے ذیلی کمیٹی کو برخاست کرکے ریڈی کمیشن کی سفارشات کو مسترد کردیا جس کی وجہ سے آج بھی مسلح افواج اکثر دہشت گردوں اور شہریوں کے درمیان تمیز نہیں کرتیں اور بے قصور افراد کی ہلاکتوں کا سلسلہ بلاخوف خطر جاری ہے۔

بہرحال انجام کیا ہوتا ہے یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا مگر یہ بات طے ہے کہ اگر حکومتوں نے اس سلسلہ میں مناسب اور مثبت اقدامات نہ کیے تو حالات سدھرنے کے بجائے منفی شکل اختیار کرسکتے ہیں اس لیے کہ ظلم سہنے کی بھی اپنی ایک حد ہوتی ہے اور اگر وہ حد پار ہوجائے تو پھر اس سے پیدا ہونے والا غصہ نفرت میں بدل جاتا ہے جس کے منفی اثرات ناقابل برداشت ہوجاتے ہیں۔ اس سچائی کو جتنا جلدی ہمارے حکمراں سمجھ لیں اتنا ہی ان کے اور پورے ملک کے لیے بہتر ہوگا۔□□

جشن یوم جمہوریہ، ملک کے آئین کے تحفظ کے تئیں ہماری ذمہ داری کو یاد دلاتا ہے: مولانا حکیم الدین قاسمی

یوم جمہوریہ تقریب کے عنوان سے جمعیۃ یوتھ کلب کے مدنی یوتھ سینٹر پر پرچم کشائی

مدرسہ اسلامیہ یاسینیہ کھوڑہ نگلہ ضلع مظفرنگر میں ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند کا خطاب

نئی دہلی ۲۷ رجنوری ۲۰۲۲ء: جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری مولانا حکیم الدین قاسمی کے زیر صدارت مدنی یوتھ سینٹر کینڈ کی مظفرنگر پر گھنے کہرے کے باوجود قومی ترنگا کو سلامی دی گئی اور یوتھ کلب کے نوجوانوں نے ملک میں مضبوط جمہوریت کے لیے دعائیں کیں۔ اس کے بعد مدرسہ اسلامیہ عربیہ یاسینیہ سراج العلوم کھوڑہ نگلہ ضلع مظفرنگر میں یوم جمہوریہ سے متعلق پروگرام منعقد ہوا جس میں مہمان خصوصی کے طور پر مولانا حکیم الدین قاسمی شریک ہوئے، اس موقع پر انھوں نے اپنے خطاب میں آزادی و یوم جمہوریہ سے متعلق بیان فرمایا کہ آزادی کی لمبی لڑائی جس میں ہمارے اکابر علماء، مسلمان اور اہل وطن نے مشترکہ طور سے قربانی دی، اسی کے طفیل میں کم وبیش ڈھائی سال بعد ہمارے ملک میں آئین ہند کا نفاذ عمل میں آیا، جمعیۃ علماء ہند کے اکابرین کی جدوجہد سے ملک کا آئین اس طرح سے وضع پایا کہ سبھی مذاہب کے ماننے والوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے اور کھلی آزادی کے ساتھ اپنی زندگی گزارنے کا حق حاصل ہوا۔ آج اسی کی برکت ہے کہ آزادی کیساتھ مدارس ومساجد ومکاتب اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہیں (الحمدللہ) انھوں نے کہا کہ جمہوریت کا یہ تہوار ہمیں ہمیشہ یہ یاد دلاتا ہے کہ ہمیں اسے مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھنا ہے، اگر ہم اس عظیم ملک کے سپاہی ہیں تو اس کی خدمت یہ ہے کہ ہمیں اس کی ترقی میں پورا پورا حصہ لینا ہے۔

ازیں قبل مدرسے کے طلبہ محمد شاکر جڑودہ، محمد امان اللہ مصطفیٰ آبادی، ہاشم تابش مظفرنگری، محمد مشکور کھتولوی نے خوبصورت انداز میں تقریری ونعتیہ پروگرام پیش کیے، محمد شعیب کلہیڑی نے قومی ترانہ پڑھا اور قاری سلمان مدرس مدرسہ ھذا نے حالات کے تناظر میں نظم پیش کی۔ مدعوئین خصوصی میں مفتی عبدالحسیب، پردھان تنویر، محمد سرتاج مرسلین ودیگر اہلیان بستی شریک ہوئے، مدرسے کے اساتذہ میں مفتی مدثر مفتی عثمان، مولانا صداقت، قاری مدثر، قاری انتظار، قاری عابد، قاری عبدالرب، قاری عارف، قاری شہزاد، قاری نعیم، قاری ساجد، قاری طیب، قاری شمشاد، ماسٹر اسلام، ماسٹر عمر وغیرہ نے شرکت کی، نظامت کے فرائض مدرسے کے مہتمم حضرت قاری محمد جعفر نے انجام دیئے۔ پروگرام کا اختتام مہمان خصوصی حضرت مولانا حکیم الدین صاحب قاسمی جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء ہند کے پرمغز دعاء پر ہوا۔

میزان

مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

لڑکیوں کی شادی کی عمر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

۱۷/دسمبر ۲۰۲۱ء کو مرکزی حکومت کی کابینہ نے لڑکیوں کی شادی کی عمر بڑھا کر اکیس سال کرنے پر اتفاق کرلیا، وزیر اعظم نریندر مودی نے یوم آزادی کے موقع سے اپنے خطاب میں اس کا تذکرہ کیا تھا کہ لڑکیوں کی شادی کی عمر کے سلسلے میں جائزہ لیا جارہا ہے، اس کے بعد جیا جیٹلی کی صدارت میں ایک ٹاسک فورس کی تشکیل عمل میں آئی تھی اور اس کی سفارش کی روشنی میں کابینہ کی منظوری کے بعد وزیر سمرتی ایرانی نے اسے پارلیمنٹ میں پیش کردیا ہے گو اسے پاس نہیں کیا گیا ہے، حزب مخالف کے شور شرابے سے مجبور ہوکر حکومت نے اسے اسٹینڈنگ کمیٹی کے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

ہندوستان میں کم عمر کے بچے بچیوں کی شادی پر روک لگانے کی غرض سے ایشور چندر ودیا ساگر نے ۱۸۵۰ء میں کم عمر کی شادیوں کے خلاف عوامی بیداری پیدا کرنے کے لیے تحریک چلائی تھی، جیوتی باپھولے، گوپال ای دیش مکھ، جسٹس رانا ڈے، کے ٹی تلنگ، ڈی کے کردے نے بھی عورتوں کی حالت سدھارنے کے لیے عوامی بیداری لانے کے کام میں سرگرم حصہ داری نبھائی تھی، اس کے نتیجے میں ۱۸۹۰ء میں لڑکیوں کی شادی کی عمر دس سے بڑھا کر بارہ سال کی گئی۔ ۱۹۲۷ء میں ہرلاس ساردا جو ایک ماہر تعلیم، جج اور سماجی اصلاح کے کام کے لیے مشہور تھے، انہوں نے لڑکوں کے لیے شادی کی عمر اٹھارہ اور لڑکیوں کی عمر چودہ سال رکھنے کی تجویز رکھی تھی، ۱۹۲۹ء میں یہ قانون بنا اور انہیں کے نام پر اس قانون کا نام ساردا ایکٹ رکھا گیا، یہ قانون مسلم پرسنل لا کے خلاف تھا، اس لیے امارت شرعیہ نے اس بل کے خلاف تحریک چلانے کا فیصلہ کیا، بانی امارت شرعیہ ابوالمحاسن مولانا محمد سجاد نے مسلمانوں کو اس بل کے منسوخ نہیں ہونے کی صورت میں سول نافرمانی کی تحریک چلانے کا مشورہ دیا، اس کے لیے 'تحفظ ناموس شریعت' کے عنوان سے ایک ایکشن کمیٹی بنائی گئی اس کا ناظم مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد کو چنا گیا، پورے ملک میں منظم تحریک چلائی گئی، امارت شرعیہ کی زیر سرپرستی احتجاجی جلسے منعقد ہوئے اور ہر جگہ سے وائسرائے ہند کو تار کے ذریعہ احتجاج درج کرایا گیا، قانون تو ختم نہیں ہوا، البتہ اس احتجاج کے نتیجے میں حکومت کی طرف سے عمل در آمد کا کام نہیں ہو سکا۔

آزادی کے برسوں بعد ۱۹۷۸ء میں اس قانون میں ترمیم کرکے لڑکوں کی شادی کی عمر اکیس اور لڑکیوں کی اٹھارہ سال کردی گئی، جو اب تک رائج ہے، البتہ اس قانون کی وجہ سے کم عمر کی شادیوں پر روک نہیں لگ سکی؛ کیونکہ یہ ایک سماجی مسئلہ تھا اور لڑکے، لڑکیوں کی جسمانی ساخت اور بلوغیت پر منحصر تھا؛ اس لیے عملی طور پر اس کو برتا نہیں جاسکا، عام رجحان یہ بنا کہ یہ شخصی آزادی پر پابندی کے مترادف اور بنیادی حقوق کی دفعات میں جس قسم کی آزادی کا ذکر ہے یہ اس کی روح کے منافی ہے، لیکن حکمراں طبقہ اس دلیل سے مطمئن نہیں تھا، چنانچہ ۲۰۰۶ء میں بچوں کی شادی پر روک کا قانون بنا کر اسے جرم کے دائرہ میں لایا گیا اور اس کے لیے دو سال جیل اور ایک لاکھ روپے جرمانے کی سزا بھی مقرر کی گئی، لیکن یہ قانون فطرت کے خلاف تھا، اس لیے آج بھی اس قانون کے خلاف شادیاں ہو رہی ہیں اور اعداد وشمار کے اعتبار سے راجستھان اس معاملہ میں سب سے آگے ہے۔ خود قانونی اعتبار سے اس میں بڑا تضاد ہے، اٹھارہ سال کی عمر میں حکومت لڑکے لڑکیوں کو بالغ مانتی ہے اور اس عمر کو پہنچ کر سارے اختیارات لڑکے لڑکیوں کو حاصل ہو جاتے ہیں، وہ سرکاری نوکری حاصل کرسکتا ہے، کمپنی کھول سکتا ہے، ووٹ کا حق اسے مل جاتا ہے، لیکن وہ اپنی شادی نہیں کر سکتا، کیوں کہ وہ ابھی اکیس برس کا نہیں ہوا ہے۔

اسی طرح ہم باشی (لیوان ریلیشن شپ) کے لیے بھی عمر کی قید نہیں ہے اور اسے ہندوستان میں قانونی حیثیت حاصل ہے، لڑکا، لڑکی بغیر کسی ذمہ داری لیے ایک کمرے میں رہکر گل چھرے اڑائے تو غیر قانونی نہیں، کئی کئی گرل فرینڈ اور بوائے فرینڈ سے ریلیشن شپ رکھے تو قانون اس پر دارو گیر نہیں کرتا، بلکہ مختلف عدالتوں کے فیصلے میں اس تعلق پر دارو گیر کرنے سے منع کیا گیا ہے، بلکہ بعض فیصلوں میں ریلیشن شپ میں رہنے والوں کو تحفظ فراہم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

آخر سرکار کو اس سے کیا دلچسپی ہے؟ یہ ایک سوال ہے، سرکار کہتی ہے کہ شادی کی عمر میں مرد وعورت میں تفریق صنفی بنیاد پر قانون کے مطابق نہیں ہے، اس کے جواب میں اسدالدین اویسی صاحب نے یہ بات صحیح کہی ہے کہ اگر تفریق درست نہیں ہے تو اتنے دن سے اسے قانون کے دائرہ میں کیوں رکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ لڑکوں کی عمر ہی کم کرکے اٹھارہ سال کردو، مساوات ہوجائے گی، لیکن اصل بات یہ ہے کہ سرکار چاہتی ہے کہ شادی کی عمر جتنی بڑھائی جائے گی، توالد وتناسل کی مدت اسی قدر کم ہوتی جائے گی، اور بڑھتی آبادی پر اس طرح بھی قابو پایا جاسکے گا، یہ ایک منفی سوچ ہے اور اس منفی سوچ کی مار صرف مسلم پرسنل لا پر ہی نہیں، بھارتیہ عیسائی ازدواجی ایکٹ، پارسی ازدواجی وطلاق ایکٹ، خصوصی اطفال ازدواجی ایکٹ، مسلم عائلی قانون (شریعت) طلاق ایکٹ، خصوصی ازدواج ایکٹ، ازدواج ہنود ایکٹ ۱۹۵۵۰ء اور غیر ملکی ازدواج ایکٹ کے بھی خلاف ہے، اس قانون کو پاس کرنے کی وجہ سے حکومت کو ان تمام ایکٹ میں تبدیلیاں لانی ہوں گی، جو بہت آسان نہیں ہوگا۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ لڑکا لڑکی بالغ ہوجائے تو اس کو ازدواجی رشتے میں بندھ جانا چاہیے؛ تاکہ جنسی بے راہ روی میں مبتلا ہونے کا امکان ختم ہوجائے اور میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے سکون ومحبت کا ذریعہ بن جائیں۔ اس سلسلے میں واضح ہدایات دی گئی ہیں کہ اگر کوئی ایسا معقول رشتہ مل جائے، جس کے دین وایمان سے تم مطمئن ہوتو اسے رشتہ نکاح میں باندھ دو، ورنہ بڑے فساد

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ لڑکا لڑکی بالغ ہوجائے تو اس کو ازدواجی رشتے میں بندھ جانا چاہیے تاکہ جنسی بے راہ روی میں مبتلا ہونے کا امکان ختم ہوجائے اور میاں بیوی ایک دوسرے کیلئے سکون ومحبت کا ذریعہ بن جائیں۔ اس سلسلے میں واضح ہدایات دی گئی ہیں کہ اگر کوئی ایسا معقول رشتہ مل جائے، جس کے دین وایمان سے تم مطمئن ہوتو اسے رشتہ نکاح میں باندھ دو، ورنہ بڑے فساد کا اندیشہ ہے۔

گوشہ روزگار

شارٹ ہینڈ اور ٹائپنگ سیکھئے اور روزگار پایئے

شارٹ ہینڈ کو اُردو میں مختصر نویسی کہتے ہیں۔ یہ فن سیکھنا اتنا مشکل نہیں جتنا سمجھا جاتا ہے۔ ایک اوسط درجہ کا ذہن رکھنے والا آدمی بھی اس کو سیکھ سکتا ہے، مگر اس میں رفتار بڑھانے کے لیے روزانہ محنت ضروری ہے۔ ورنہ اسپیڈ نہیں بڑھے گی، اس کے سیکھنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان کی انگلش اچھی ہوجاتی ہے۔ اس کے سیکھنے کے لیے 'پٹ مین اولڈ کورس' اور 'پٹ مین نیوکورس' کی کتابیں موجود ہیں۔ اولڈ کور ۲۳۱ مشقوں پر مشتمل کتاب ہے، جس میں ۱۱۰ بنیادی مشقیں ہیں اور اگر کسی نے یہ سیکھ لیں تو اسے پوری شارٹ ہینڈ آجائے گی۔ اسپیڈ بڑھانا رہ جائے گا، جو روزانہ بلاناغہ پریکٹس کرنے سے بڑھے گی۔ اس دوران مشق نمبر ۳۸ کے بعد دوہرانے والی مشق 'اے' آئے گی، اس کے بعد مشق نمبر ۸۲ کے بعد دوہرانے والی مشق 'بی' آئے گی اور اس کے بعد مشق نمبر ۱۱۰ کے بعد دوہرانے والی مشق 'سی' آئے گی۔ اور شارٹ ہینڈ مکمل ہوجائے گی اور اتنا کرنے کے بعد آپ شارٹ ہینڈ سیکھ چکے ہوں گے۔

اولڈ کورس کی مشق نمبر ۱۱۱ سے لے کر ۱۸۷ تک شارٹ ہینڈ کے اعلیٰ درجے کے اصول بتائے گئے ہیں۔ اگر آپ کا دل چاہے تو اس کی مشق کریں اور اگر نہ کریں بھی تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اولڈ کورس کی مشق نمبر ا سے لے کر ۱۱۰ تک کسی نے کرلی تو پوری شارٹ ہینڈ اس کو آجائے گی۔ مشق نمبر ۱۸۸ تا ۱۹۱ تک کاروباری خط وکتابت میں استعمال ہونے والے الفاظ اور جملے سکھائے گئے ہیں۔ مشق نمبر ۱۹۲ تا ۱۹۴ تک سیاسی خط و کتابت ہے۔ مشق نمبر ۱۹۰ تا ۱۹۸ تک بینکنگ اور اسٹاک بروکنگ کے بارے میں معلوماتی مضامین ہیں۔ مشق نمبر ۱۹۹ تا ۲۰۴ تک انشورنس اور شپنگ میں استعمال ہونے والے الفاظ ہیں۔ مشق نمبر ۲۰۵ تا ۲۱۰ تک ٹیکنیکل اور ریلوے کے بارے میں الفاظ اور فقرے ہیں۔ مشق نمبر ۲۱۱ تا ۲۱۳ تک قانونی فقرے سکھائے گئے ہیں۔ مشق نمبر ۲۱۴ تا ۲۱۰ تک مذہبی الفاظ کا مجموعہ پیش کیا گیا ہے۔ مشق نمبر ۲۱۶ سے ۲۳۱ تک ان خاص الفاظ کو ترتیب دیا گیا ہے جن کا تلفظ ملتا جلتا ہے، ان کا مطلب سمجھنے کے لیے آپ کے پاس انگلش اُردو ڈکشنری ہونا ضروری ہے تاکہ ان ملتے جلتے الفاظ کا مطلب آپ کو پتہ چلتا رہے اور آپ کی انگلش بہتر سے بہتر ہوتی رہے۔ اگر پٹ مین شارٹ ہینڈ نیوکورس کتاب کی بات کی جائے تو یہ ۱۴۰ مشقوں پر مشتمل کتاب ہے جو کہ اولڈ کورس سے مختلف ہیں۔ شارٹ ہینڈ سیکھنے والے دونوں کتابیں اپنے پاس رکھیں کیونکہ دونوں ہی شارٹ ہینڈ سیکھنے میں کافی مددگار ہیں۔ آخر میں ان الفاظ کی لسٹ ہے جن کو 'گراما لوگز' کہتے ہیں۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو انگلش میں بہت زیادہ استعمال ہوتے ہیں اور اگر ان کی مشق کرلی جائے تو ساٹھ فیصد الفاظ کا احاطہ کیا جاسکتا ہے اور اسپیڈ بڑھائی جاسکتی ہے۔ شارٹ ہینڈ اور ٹائپنگ سیکھ کر اور ان میں اسپیڈ بڑھا کر آپ کو مختلف قسم کی عدالتوں میں نوکری مل سکتی ہے۔ نیب، اسٹیٹ بینک، آرمی، واپڈا، پارلیمنٹ، صوبائی اسمبلی میں بھی اس کی ڈیمانڈ ہے اور صحافت میں بھی یہ ہنر کارآمد ہیں۔

کسی بھی ہنر کو سیکھتے ہوئے حضور پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک حدیث کو ضرور یاد رکھیں جس کا مفہوم ہے کہ جس نے ہنر سیکھا اسنے عزت پائی۔ ☐☐

دریچے

م-س-ج-

جینیٹک انجینئرنگ: دُنیا پر علم وحکمت کا راج ہوگا

انسان کو ہر شئے کو چھونے، ٹٹولنے، چکھنے اور محسوس کرنے کی جستجو ہر وقت رہتی ہے اور جیسے جیسے وقت گزرتا رہتا ہے جستجو مختلف روپ لیتی جاتی ہیں جنھیں الگ نام دیئے جاتے ہیں۔ اسی فطرت کے تحت انسان نے کائنات کے راز دریافت کرنا شروع کیے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ انسان کے علم اور تجربے میں اضافہ ہوتا گیا۔ اسی علم اور تجربے نے اسے مزید آگے بڑھنے کی ترغیب دی۔ اس طرح انسان کا جستجو، تحقیق، تلاش اور دریافت کا سفر جاری رہا۔ نت نئ معلومات، آلات اور سہولتوں نے اس سفر کی رفتار کو روز بہ روز تیز کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔

کائنات کے راز جاننے کی لگن روزِ اوّل سے ہی انسان کی فطرت میں تھی۔ چنانچہ اس لگن کے تحت ایک روز اس نے یہ بھی معلوم کرلیا کہ جانداروں کے جسم کی بنیادی اکائی خلیہ ہے اور اسی خلیے کے مرکز میں اس کی تمام خصوصیات اور وراثت دھاگوں کی صورت میں موجود ہے، جسے اس نے کروموزومز کا نام دیا ہے۔ ان کروموزومز کے ساتھ جین موجود ہوتے ہیں جو دراصل لمبے زنجیری مالیکیول ہوتے ہیں جن کی بنیادی اکائی کاربن ہوتی ہے۔ ان لمبے زنجیری مالیکیولز کو ڈی این اے کا نام دیا گیا۔ ساخت اور کارکردگی کے اعتبار سے تمام جانداروں کے خلیے ایک جیسے ہوتے ہیں، تاہم ڈی این اے کی مخصوص ساخت اور ترتیب مختلف جانداروں کو ایک دوسرے سے منفرد کرتی ہے۔ اگرچہ ہر جاندار کی جسامت کے لحاظ سے اس کے جسم میں موجود ڈی این اے بہت کم حجم کا ہوتا ہے، مگر جسم کے تمام کام، کارکردگی اور خصوصیات کا تعین یہی کرتا ہے۔

اسی کھوج کے سفر میں چلتے چلتے انسان نے یہ معلوم کرلیا کہ انسانی جسم تقریباً تیس ہزار جینز کا حامل ہے اور وراثتی بیماریاں ان ہی جینز میں ہونے والی تبدیلیوں یا فعل میں خرابی کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ لہٰذا ان کا علاج ادویات سے ممکن نہیں۔ چنانچہ سائنس والوں نے ضرورت محسوس کی کہ ان جینز پر دسترس حاصل کی جائے تاکہ ایک تو یہ معلوم کیا جاسکے کہ کہاں خرابیاں ہیں اور ان کو درست کیسے کیا جائے۔ اسی جستجو نے طبّی سائنس کی دنیا میں ایک نئے دور کا آغاز کیا جسے ٹرانس جینک ٹیکنالوجی Transgenic Technology کہا جاتا ہے۔

اس تحقیق وجستجو میں انسان اب جین کے فعل کو اپنی مرضی سے دیکھنا چاہتا تھا کہ اگر کسی جین کو اور اگر کسی میں کوئی جین موجود نہیں لیکن اگر وہ اس میں داخل کردی جائے تو پھر صورتِ حال کیا ہوگی۔ اس طرح وراثتی بیماریوں کا باعث بننے والی جین تلاش کی جاسکیں گی اور پھر جین تھریپی سے علاج کا مرحلہ طے ہوگا۔ چونکہ جس طرح سے انسانوں میں جینز موجود ہیں، اسی طرح تمام جانداروں میں جینز ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی ایسا جانور مل جائے جسے تجربہ گاہ کے طور پر استعمال کیا جاسکے۔ اس مشکل کا حل چوہے نے دیا کیونکہ انسان اور چوہے کے جین اٹھانوے فیصد سے زائد ایک جیسے ہیں۔ لہٰذا چوہا جینیاتی سائنس کے میدان میں تحقیق کا باعث بنا۔ میڈیکل سائنس نے اس قدر ترقی چوہوں کی وجہ سے کی ہے اور اس وقت میڈیکل ریسرچ میں سب سے زیادہ چوہے ہی زیر استعمال ہیں۔

جین کی تبدیلیوں کی بنیاد پر پہلا ٹرانس جینک چوہا ۱۹۷۴ء میں پیدا کیا گیا۔ ٹرانس جینک تحقیق کا یہ سلسلہ آگے بڑھتا گیا۔ پیچیدہ انسانی بیماریاں جوکہ وراثت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں، ان کے کھوج کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ سرطان، پارکنس، ہیموفیلیا، ذیابیطس، الزائمر اور دوسری بہت سی بیماریوں کے ماڈل چوہے اس تکنیک سے بننے لگے، پھر اس بات کی ضرورت بھی محسوس ہوئی کہ دنیا بھر میں اس ہونے والی تحقیق میں رابطہ اور آپس میں معلومات کے تبادلہ کے لیے ایک مربوط پلیٹ فارم ہونا چاہیے، جس کا آغاز سویڈن کی معروف میڈیکل یونیورسٹی کارولنسکا انسٹی ٹیوٹ کے شعبہ ٹرانس جینک ٹیکنالوجی نے اس کا بیڑا اُٹھایا اور ۱۹۹۹ء میں پہلی بین الاقوامی کانفرنس اسٹاک وم میں منعقد کی۔ اب یہ دنیا بھر کے جینیاتی سائنس دانوں اور ماہرین کا سب سے بڑا پلیٹ فارم بن گیا ہے۔ اس کے تحت منعقد ہونے والی کانفرنس میں دنیا بھر سے پانچ سو سے زائد سائنسدان اور ماہرین شریک ہوتے ہیں۔ مگر افسوسناک بات یہ ہے کہ اس میں اسلامی دنیا کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس سے اسلامی ممالک کی سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبے میں پسماندگی کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے حالانکہ مستقبل کی دنیا جینیاتی تحقیق کی دنیا ہے۔ نینو ٹیکنالوجی اور جینیاتی تحقیق ایسے دو میدان ہیں جو مستقبل کا تعین کریں گے۔

جنگیں کیسے شروع ہوتی ہیں؟

تھوسی ویدس یونان کا ایک مورخ اور جرنیل تھا۔ اس نے جنگ پیلو پو ہمیشہ کی تاریخ لکھی۔ اس لکھی جانے والی تاریخ میں جنگ کے حوالے سے جو تھیوری پیش کی گئی اسے 'تھیوری آف تھوسی ویدس ٹریپ' کہا جاتا ہے۔ اس میں ایک جنگی فلسفے کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب بھی ایک طاقت قائم ہوجاتی ہے تو ایک دوسری طاقت اُبھر رہی ہوتی ہے۔ اس لیے دونوں میں ٹکراؤ ہونا لازمی ہوتا ہے۔ جنگ پیلو پو ہمیشہ میں دو فریق تھے، سپارٹا ایک مسلمہ طاقت تھی اور ایتھنز ایک اُبھرتی ہوئی شہری ریاست بن رہی تھی۔ یہ جنگ اس لیے شروع ہوئی کہ ایتھنز عروج پا رہا تھا اور سپارٹا کو ایتھنز کی بڑھتی طاقت سے خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ گراہم ایلیسن نے ہارورڈ یونیورسٹی کے بیلفور سینٹر میں اس تھیوری پر ریسرچ کرنے کے لیے آخری پانچ سو سالہ تاریخ کے ایسے ہی سولہ واقعات کو باریک بینی سے پرکھا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ان میں سے بارہ واقعات خونی جنگوں پر ختم ہوئے تھے جبکہ سرد جنگ کو صرف چار واقعات میں رکھا گیا، جب معاملات خون ریز جنگ کے بغیر ختم ہوئے۔ گوکہ پہلی سرد جنگ میں امریکہ اور سوویت آمنے سامنے نہیں آئے تھے لیکن 'پراکسی جنگوں' کا سلسلہ چلتا رہا تھا۔ کوریا میں جنگ ختم ہوئی تو ویتنام میں شروع ہوگئی، وہ ختم ہوئی تو افغانستان کا قضیہ شروع ہوگیا تھا۔ اس دوران ایک موڑ ایسا بھی آگیا تھا کہ سرد جنگ دنیا کو نیوکلیئر جنگ میں جھونکنے لگی تھی۔ کیوبن میزائل کرائسس کے دوران اگر ذرا سی غلطی ہوجاتی تو سرد جنگ نیوکلیئر وار کی شکل اختیار کرسکتی تھی۔

زرعی قوانین پر وزیراعظم مودی معافی مانگ چکے ہیں، ہم پنجاب میں ریکارڈ بنائیں گے

عام آدمی پارٹی صرف چیٹنگ کر رہی ہے ملک کانگریس کا دہلی ماڈل بھی دیکھ چکا ہے

بی جے پی رکن پارلیمنٹ جناب منوج تیواری کا ایک انٹرویو

بی جے پی کے ممبر پارلیمنٹ اور بھوجپوری کے اسٹار منوج تیواری چنڈی گڑھ پہنچے۔ اس دوران انھوں نے ایک خاص ملاقات میں دہلی و پنجاب اور چنڈی گڑھ کی سیاست پر تفصیلی بات کی۔ پیش ہیں بات چیت کے خاص حصے۔

س: کسان تحریک سے بی جے پی کو جو چوٹ لگی ہے، آپ کیا سوچتے ہیں، پنجاب میں بی جے پی کا عروج ہوگا؟

ج: یقینی طور پر ہوگا، میں ایک گرودوارے میں ایک گرنتھی کی بات سن رہا تھا، وہ کہہ رہے تھے کہ نریندر مودی تین زرعی قوانین لائے، جب مخالفت ہوئی تو انھوں نے واپس لے لیا اور معافی بھی مانگ لی لیکن کیا کانگریس نے کبھی ۱۹۸۴ء کے فسادات پر معافی مانگی یا اظہارِ افسوس کیا؟ کبھی نہیں، کیا یہ ایک بڑی چیز نہیں ہے۔ پنجاب کو ایک بار بی جے پی کو موقع دے کر دیکھنا چاہیے، غلطی کسی بھی انسان سے ہوسکتی ہے کسی نظام کو سمجھنے میں، لیکن بی جے پی سچے دل اور کھلے ذہن سے لوگوں کی خدمت کرنا چاہتی ہے اس لیے پنجاب میں ہم ان باتوں کو لے کر جائیں گے، اب تو کیپٹن امریندر سنگھ کی پارٹی سے بھی تال میل کی بات ہو رہی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ہم پنجاب میں ریکارڈ بنانے کی طرف گامزن ہے۔

س: پچھلی مرتبہ چناؤ میں کانگریس کو ۷۸ سیٹیں ملی تھیں۔ اس بار بھی نوجوت سنگھ سدھو دعویٰ کر رہے ہیں کہ کانگریس کی حکومت بنے گی؟

ج: نوجوت سنگھ سدھو کے بیان اگر غور سے سنیں تو وہ اپنی حکومت کو ہی ٹھوکتے رہتے ہیں لیکن ہمیں ان باتوں سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ سدھو کی اپنی جو چال ہے، اپنی جو طرزِ گفتگو ہے وہ پنجاب کے لوگوں کو بخوبی یاد ہیں۔ ہمیں تو پنجاب کو ایک بہتر پنجاب بنانا ہے اور اس کے لیے بی جے پی ایک بار پنجاب کا اعتماد چاہتی ہے۔

س: اس مرتبہ کانگریس، عاپ اور بی جے پی کے درمیان مقابلہ ہوگا۔ آپ کیا سوچتے ہیں؟

ج: عام آدمی پارٹی کو جتنی چیٹنگ کرنی تھی وہ دہلی میں کرلی ہے۔ ان کا دھوکا ظاہر بھی ہوچکا ہے۔ دہلی کے وزیراعلیٰ اروند کیجریوال جب کہیں جاکر (چاہے پنجاب ہو یا چنڈی گڑھ) ان لوگوں کو نشہ مکت کرنے کی بات کہیں گے تو لوگ ان سے یقیناً سوال کریں گے ہی کہ دہلی میں کیا کیا؟ جگہ جگہ گلیوں تک میں آمدنی بڑھانے کے لیے شراب کی دکانیں کھول رہے ہیں۔ دہلی اس سے تکلیف میں مبتلا ہے۔ دہلی میں بلند کوڑے کے پہاڑوں سے عوام پریشان ہیں اور کیجریوال دوسری جگہ جاکر اس کو کوڑے کے پہاڑوں سے آزاد کرانے کے لیے وعدے کر رہے ہیں۔ جیسا کہ چنڈی گڑھ میں ہوا، وہ پہلے دہلی کو تو کوڑے کے پہاڑوں سے نجات دلادیں، دوسری طرف اگر وہ کہیں گے کہ ہمارا صحت ڈھانچہ بہت اچھا ہے اس وقت ان کو بتانا پڑے گا کہ دہلی میں ان کے ورلڈ کلاس محلّہ کلینک نظام میں بچے دوائیں کھا کر مر رہے ہیں۔ یہ حال ہی میں واقعہ پیش آیا ہے جو بہت ہی تکلیف دہ ہے۔ اس سے پہلے کووڈ آیا نہ ٹیسٹ ہوئے، نہ ٹھیک طرح سے جانچ۔ دہلی کا نظامِ صحت برباد ہے۔ تعلیم کے نام پر بھی وہ جھوٹ سے کام لیتے ہیں۔ تعلیم کے میدان میں دہلی ملک میں ۲۵ویں مقام پر آتا ہے۔

س: کیا آپ پنجاب میں بھی ڈیرے لگائیں گے کیونکہ یہاں کے کانگریس لیڈران بھی وہاں تشہیر کر رہے ہیں؟

ج: ہم جلد ہی پنجاب جائیں گے۔ پنجاب کو عام آدمی پارٹی اور کانگریس دونوں سے بچا کر رکھنا ہے تاکہ یہاں کے لوگوں کو ان کا اصلی حق مل سکے، جو بی جے پی حکومت اور انتظامیہ دیتے رہے ہیں۔ پنجاب میں عام آدمی کا برا حال ہے۔ وزیر اعلیٰ چرن جیت سنگھ کے جلسہ میں ٹیچر اور غیر مستقل ملازمین کے حق مانگنے پر ہراساں کیا جا رہا ہے۔ ہم پنجاب جائیں گے اور وہاں لوگوں کو بیدار کریں گے کہ دوسری پارٹیاں وعدے کیا کرتی ہیں اور اصلیت میں ہوتا کیا ہے۔

س: چنڈی گڑھ کارپوریشن انتخابات کی بات کریں تو دہلی سے کانگریس لیڈر الکا لامبا بھی پروپیگنڈہ کے لیے آتی تھی۔ کیا لگ رہا ہے کہ بی جے پی کو سخت چیلنج ملے گا؟

ج: کانگریس کا دہلی ماڈل، کیجریوال کا دہلی ماڈل اور بی جے پی کا چنڈی گڑھ ماڈل، ان تینوں کا موازنہ کرتے ہیں تو کانگریس اور عام آدمی پارٹی کے ماڈل سے بہت اعلیٰ چنڈی گڑھ کا ماڈل ہے۔ آج چنڈی گڑھ کاربن سے محفوظ شہر ہے اور دہلی سب سے آلودہ شہر ہے۔ بی جے پی کے تئیں لوگوں کا بھروسہ ہے۔ چنڈی گڑھ میں پورا ملک سیاحت کے لیے آتا ہے، ہمیں اس پر فخر ہے، ہم اسے سدھار رہے ہیں اور کئی چیزیں جیسے جس کی جھگیاں تھیں ان میں بہت سارے کو ہم نے مکان دے دیا اور کچھ بچے ہیں انھیں بھی دے دیا جائے گا۔ جلد ہی چنڈی گڑھ کو مکمل سلم فری بنا دیا جائے گا۔ کوئی بھی آئے پرچار کے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ عوام ترقی کے نام پر ووٹ دیتی ہے اور ترقی کی طاقت پر ہی ہم نے انتخاب لڑا ہے۔ □□

یوپی اسمبلی انتخابات: ساتھیوں کی بغاوت کو اپوزیشن کی حمایت، گورکھپور میں وزیراعلیٰ یوگی کیلئے خطرے کی گھنٹی

سمجھا جاتا ہے کہ گورکھپور سیٹ پر ہار اور جیت کا فیصلہ گورکھ ناتھ مندر کرتا ہے اور اب یہاں سے وزیراعلیٰ یوگی آدتیہ ناتھ خود بی جے پی کے امیدوار ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان کے خاص گروپ کا نمایاں چہرہ رہے سنیل سنگھ اب علیحدہ ہوچکے ہیں۔ وہ کھلے پلیٹ فارم سے سی ایم یوگی کو چیلنج کر رہے ہیں۔ ان کی تنظیم ہندو یوا واہنی بھی پہلے کی طرح فعال نہیں رہی۔ ۲۰۱۸ء میں ہونے والے لوک سبھا کے ضمنی انتخاب کے امیدوار اوپیندر شکلا کی بیوی سوبھاوتی شکلا بی جے پی پر نظر انداز کرنے کا الزام لگاتے ہوئے سائیکل پر سوار ہوچکی ہیں اور انہیں اپوزیشن پارٹی سے ٹکٹ کے مضبوط دعویدار کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ بھیم آرمی کے بانی چندر شیکھر آزاد کا الیکشن لڑنے کا اعلان بھی سرخیوں میں ہے۔ حزب اختلاف بھگوا قلعہ میں دلتوں، پسماندہ، مظلوموں کو نظر انداز کرنے سمیت ریاست کے تمام مسائل کو ہتھیار بنا کر حملہ کر رہی ہے۔ اپوزیشن کا مقصد اس سیٹ پر جیت یا ہار سے زیادہ سی ایم یوگی کا محاصرہ کرنا اور انہیں یہیں الجھا کر رکھنا بھی ہے۔ ان تمام دشواریوں اور یوگی کے اثر ورسوخ کے درمیان کشمکش نے بھگوا قلعہ کے انتخاب کو دلچسپ بنا دیا ہے۔ گورکھپور کے راپتی نگر کے رہنے والے سمیر کمار کا کہنا ہے کہ یہ یوگی آدتیہ ناتھ کی کرم بھومی ہے جس کی وجہ سے یہاں الیکشن لڑنا آسان ہے۔ پرانے کارکنان پہلے سے ہی جانتے ہیں جس کی وجہ سے ان کے لیے الیکشن کا انتظام آسان ہوجائے گا۔ علاقے میں انتخابی مہم چلانے کے لیے ان پر زیادہ دباؤ نہیں ہوگا۔ وہ دوسری جگہوں پر زیادہ وقت دے سکتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک اور بات قابل غور ہے کہ اس سیٹ پر بی جے پی نہیں لڑ رہی ہے، بلکہ یوگی جی خود لڑ رہے ہیں۔ بہت سے لوگ ہیں جو کسی وجہ سے بی جے پی کو ووٹ نہیں دیتے لیکن وہ لوگ ذاتی تعلقات کی وجہ سے یوگی جی کو ووٹ دیں گے۔ جس کا انہیں بھرپور فائدہ ملے گا۔ گورکھپور پرنسپل کونسل کے ضلع ایگزیکٹیو آفیسر رام بہل ترپاٹھی کا کہنا ہے کہ ہری شنکر تیواری کیمپ کے ونے شنکر تیواری، کشال تیواری اور گنیش شنکر پانڈے ایس پی میں شامل ہوگئے ہیں اور وہ اوپیندر شکلا کی بیوی کے لیے انتخابی مہم چلا رہے ہیں۔ رام بہل ترپاٹھی کا ماننا ہے کہ برہمن طبقہ مقامی سطح پر یوگی جی سے ناراض ہے۔ اس سے یوگی کو الیکشن میں نقصان پہنچے گا۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ موجودہ ایم ایل اے ڈاکٹر رادھا موہن اگروال ابھی تک خاموش ہیں۔ وہ آزاد امیدوار کے طور پر الیکشن لڑیں گے یا کسی پارٹی سے، کسی کو کچھ معلوم نہیں۔ گورکھپور کے نوسڈھ کے رہنے والے پرہلاد کا کہنا ہے کہ اس بار اپوزیشن پارٹیوں کا مشترکہ امیدوار میدان میں نہیں ہوگا کیونکہ تمام پارٹیاں اپنے امیدوار کھڑے کر رہی ہیں لیکن موجودہ ایم ایل اے رادھا موہن اگروال کے حوالہ سے انہیں شبہ ہے۔ پرہلاد کہتے ہیں کہ انہوں نے مختصر ردعمل ظاہر کیا تھا کہ میں بی جے پی کا کارکن ہوں! پارٹی کا فیصلہ خوش آئند ہے لیکن اس کے بعد انہوں نے عوامی سطح پر کوئی بیان نہیں دیا۔ دوسری طرف اکھلیش یادو نے انہیں اپنی پارٹی میں شامل ہونے کی کھلی دعوت بھی دی تھی۔ جس کی وجہ سے لوگوں میں ان کے بارے میں شکوک وشبہات پائے جاتے ہیں۔

ھوا کے دوش پر

۲۰۲۱ء میں دُنیا بھر میں ۴۵ صحافیوں کا قتل: رپورٹ

بین الاقوامی پریس انسٹی ٹیوٹ (آئی پی آئی) کی جانب سے کی جانے والی تحقیق سے انکشاف ہوا ہے کہ ۲۰۲۱ء میں ۴۵ صحافیوں کو ان کے کام پر قتل کردیا گیا۔ میڈیا کی رپورٹ کے مطابق رپورٹ میں کہا گیا کہ سات صحافیوں کو میکسیکو، ۶-۶ صحافیوں کو افغانستان اور ہندستان جبکہ تین کو عوامی جمہوریہ کانگو (ڈی آر سی) میں قتل کیا گیا۔ افسوسناک اعداد وشمار صحافت کرنے کے خطرے کی عکاسی کرتے ہیں اور صحافیوں کی حفاظت کی عالمی چیلنج کے طور پر تصدیق کرتے ہیں۔ آئی پی آئی نے اپنے بیان میں تمام ممالک کے حکام سے مطالبہ کیا ہے کہ صحافیوں کو ان جرائم سے چھٹکارا دلاتے ہوئے ان کی حفاظت کو یقینی بنایا جائے تاکہ محفوظ اور آزادانہ طور پر اپنی ذمہ داریاں سرانجام دے سکیں۔ آئی پی آئی گلوبل کی شائع کردہ سالانہ ڈیتھ واچ رپورٹ کے مطابق ۲۰۲۱ء کے آغاز میں مجموعی طور پر ۴۵ صحافیوں کو ان کے کام کی وجہ سے قتل کیا گیا یا وہ انھوں نے اسائنمنٹ کے دوران اپنی جانیں دیں۔ رپورٹ کے مطابق ۴۵ میں سے ۲۰ مرد جبکہ ۵ خواتین صحافیوں کو قتل کیا گیا۔ انھوں نے کہا کہ مجموعی طور پر ۲۸ صحافیوں کو ان کے کام کے باعث قتل کیا گیا جبکہ تین صحافی تصادم کے واقعات، دو شہر میں بدامنی کی کوریج کے دوران اور ایک صحافی کو اس کے اسائنمنٹ پر قتل کیا گیا۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ صحافیوں کے قتل کے ۱۱ معاملے کی تحقیقات اب بھی جاری ہیں۔ رپورٹ میں صحافیوں کے نام بھی درج کیے گئے ہیں جنھیں ان کے پیشے کے باعث بے دردی سے قتل کیا گیا۔ ان صحافیوں کے قتل کی وجہ ان کی رپورٹنگ یا صرف ان کا صحافی ہونا بھی ہوسکتا ہے۔ علاوہ ازیں رپورٹ میں ان صحافیوں کے نام بھی شامل ہیں جو تصادم یا اپنے دیگر اسائنمنٹ کی کوریج کے دوران جان کی بازی ہار گئے۔ آئی پی آئی کی فہرست میں ایڈیٹرز، پورٹرز سمیت دیگر میڈیا ورکرز بھی شامل ہیں جو براہِ راست خبر دینے سے منسلک ہیں۔ اس میں کیمرہ مین بھی شامل ہیں۔ آئی پی آئی نے اعداد وشمار ادارے کی روزانہ کی نگرانی سے حاصل کیے ہیں۔ علاوہ ازیں اپنے اراکین اور مقامی صحافتی اداروں کے ساتھ مل کر یہ کام کرتا ہے آیا صحافی کا قتل کام سے متعلق تھا یا دیگر وجوہات کی بنا پر کیا گیا۔

اقوامِ متحدہ میں ۱۱ ممالک ووٹنگ کے حق سے محروم

اقوامِ متحدہ نے اپنی جنرل اسمبلی میں گیارہ ممالک کا ووٹنگ کا حق معطل کردیا ہے۔ اس اقدام کی وجہ مذکورہ ممالک کی جانب سے اپنے سالانہ واجبات کی عدم ادائیگی ہے۔ اقوامِ متحدہ کے منشور کے آرٹیکل ۱۹ کے تحت اگر اقوامِ متحدہ کا کوئی رکن ملک اپنے واجبات کی ادائیگی میں تاخیر کرتا ہے تو وہ جنرل اسمبلی میں اپنے ووٹنگ کے حق سے محروم ہوجائے گا۔ اقوامِ متحدہ کے بیان کے مطابق ان ممالک نے ۲۰۲۰ء اور ۲۰۲۱ء سے متعلق اپنے واجبات ادا نہیں کیے۔ ووٹنگ کے حق سے محروم ہونے والے ممالک کی فہرست میں اینٹگوا اینڈ بربوڈا، کانگو، گنی، پاپانیوگنی، وینوآتو، ایران، صومالیہ، سوڈان، ساؤٹومی اینڈ پرنسیپ، وینز ویلا اور جزائر کومرو شامل ہیں۔ اقوامِ متحدہ کے بیان کے مطابق ایران کے واجبات ۱۸ء۸ کروڑ ڈالر سے تجاوز کرچکے ہیں۔ سوڈان پر واجبات تین لاکھ ڈالر کے قریب، صومالیہ پر ۱۵ لاکھ ڈالر اور جزائر کومرد پر واجبات ۱۲ء۱۴ لاکھ ڈالر سے زیادہ ہیں۔ اقوامِ متحدہ نے ان میں سے تین ممالک جزائر کومرو، صومالیہ اور ساؤٹومی اینڈ پرنسیپ کو جنرل اسمبلی کے ۷۶ویں اجلاس کے اختتام تک ووٹنگ کی اجازت دی ہے۔

دُنیا میں اموات کی دوسری بڑی وجہ کینسر

۲۰۱۹ء میں ہوئیں ایک کروڑ اموات

دُنیا بھر میں ۲۰۱۹ء میں کینسر سے ہونے والی اموات کی تعداد ایک کروڑ ہے جبکہ نئے معاملے دو کروڑ تیس لاکھ ریکارڈ ہوئے۔ یہ بات امریکہ میں ہونے والی ایک نئی طبّی تحقیق میں سامنے آئی۔ انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ میٹرکس اینڈ ایویلوشن (آئی ایچ ایم ای) اور یونیورسٹی آف واشنگٹن اسکول آف میڈیسن کی اس تحقیق میں بتایا گیا کہ ۲۰۱۰ء کی دہائی کے آغاز میں کینسر سے اموات کی تعداد ۸۲ لاکھ ۹۰ ہزار جبکہ نئے معاملوں کی تعداد ایک کروڑ ۸۷ لاکھ تھی، مگر ۲۰۱۹ء میں دہائی کے اختتام پر اموات اور معاملے کی شرح میں بالترتیب ۲۰ء۹ فیصد اور ۲۶ء۳ فیصد اضافہ ہوا۔ محققین نے دنیا بھر کے ۲۰۴ ممالک اور خطوں میں کینسر کے بوجھ اور رجحانات کا تخمینہ لگایا اور انھوں نے دریافت کیا کہ دل کی شریانوں سے جڑے امراض کے بعد کینسر دُنیا میں اموات کی دوسری بڑی وجہ ہے۔ مردوں اور خواتین دونوں میں قولون، پھیپھڑوں، ریکٹم، ٹریچیا، برونچی، معدے، بریسٹ اور جگر کے کینسر کی شرح بہت زیادہ ہے بالخصوص ٹریچیا اور برونچی اور پھیپھڑوں کے کینسر سے ہونے والی اموات ۱۱۹ ممالک میں سب سے زیادہ تھیں۔ اس سے قبل فروری ۲۰۲۱ء میں انٹرنیشنل ایجنسی فار ریسرچ آن کینسر (آئی اے آر سی) کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ آج دُنیا میں ہر پانچ میں سے ایک فرد کو زندگی میں کینسر کا سامنا ہو رہا ہے اور یہ تعداد آنے والے برسوں میں مزید بڑھ جائے گی، یعنی ۲۰۴۰ء تک اس میں ۵۰ فیصد تک اضافہ ہوسکتا ہے۔ کینسر کے عام ہونے کی وجہ طرزِ زندگی کے عناصر جیسے ناقص غذا، جسمانی سرگرمیوں سے دوری، تمباکو نوشی اور الکحل کا زیادہ استعمال ہے۔ اسی طرح عمر میں اضافے کے ساتھ بھی کینسر میں مبتلا ہونے کا خطرہ بڑھتا ہے مگر طرزِ زندگی میں چند تبدیلیوں سے اس جان لیوا بیماری سے بچنا ممکن ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آپکو علم نہ ہو مگر چند عام چیزوں کے ذریعے کینسر کے ہر تین میں سے ایک کیس کی روک تھام ہوسکتی ہے۔ یہ تبدیلیاں درج ذیل ہیں: جسمانی وزن کو کنٹرول کریں، موٹاپا یا زیادہ جسمانی وزن متعدد اقسام کے کینسر کا خطرہ بڑھاتا ہے جن میں غذائی نالی، لبلبے، قولون، گردوں اور تھائی رائیڈ گلینڈ کے کینسر شامل ہیں۔

ماضی کے جھروکے سے
تاریخ اسلام کا ایک ورق

ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی آمد ۴

تحریر: فاروق اعظم عاجز

حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ

جھوٹ جھوٹ ہے اور سچ سچ ہے، دونوں میں دن و رات کا فرق ہے، گو جھوٹ کو سچ کا لبادہ اوڑھانا دن کو رات بنانے کے مرادف ہے، کوئی حقیقت سے جس طرح ممکن ہو آنکھ بند کر لے لیکن راست بازی اپنی حقیقی روشنی سے مدمقابل کی نگاہ خیرہ کر کے رکھ دیتی ہیں۔ چنانچہ چند غلام اور حقیقت سے بے خبر لوگ اسلامی حکومت کو بے انصاف، تشدد پسند اور سلاطین کی ریڑھ کی ہڈی، ہندوستان کے ہر ہر ذرے کو آفتاب و ماہتاب بنانے والے اور پورے پچاس سال تک سپاہیوں کی مقدار پر تنخواہ لے کر ملک و قوم کی خدمت کرنے والے عالمگیر اورنگ زیب کو متشدد اور مذہب ہندو کا جانی دشمن قرار دیتے ہیں۔ بڑے رنج والم کی بات ہے۔ اس کے باوجود جواہر لال نہرو اپنی کتاب (تلاش ہند) میں ہندوستانی سماج، ہندوستانی فکر، اور ہندوستان کی تمدن و ثقافت پر مسلمانوں کے ناقابل فراموش گہرے اثرات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔ کہتے ہیں: ’’ہندوستان میں اسلام کی اور ان مختلف قوموں کی آمد نے جو اپنے ساتھ نئے خیالات اور زندگی کے مختلف طرز لے کر آئے، یہاں کے عقائد اور یہاں کی ہیئت اجتماعی کو متاثر کیا، بیرونی فتح خواہ کچھ بھی برائیاں لے کر آئے اس کا ایک فائدہ ضرور ہوتا ہے، یہ عوام کے ذہنی افق میں وسعت پیدا کر دیتی ہے اور انھیں مجبور کر دیتی ہے کہ وہ اپنے ذہنی حصار سے باہر نکلیں، وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ دنیا اس سے کہیں زیادہ بڑی اور بوقلموں ہے جیسی کہ وہ سمجھ رہے تھے۔

بالکل اسی طرح افغان فتح نے ہندوستان پر اثر ڈالا اور بہت سی تبدیلیاں وجود میں آگئیں، اس سے بھی زیادہ تبدیلیاں اس وقت ظہور میں آئیں جب مغل ہندوستان میں آئے، کیونکہ یہ افغانوں سے زیادہ شائستہ اور ترقی یافتہ تھے، انھوں نے ہندوستان میں خصوصیت کے ساتھ اس نفاست کو رائج کیا جو ایران کا حصہ تھی۔‘‘ (تلاش ہند، ص: ۲۱۹ بحوالہ ہندوستانی مسلمان، ص: ۳۰)

اسی مذکورہ واقعہ کی تائید میں سابق صدر کانگریس اور جنگ آزادی کے ایک رہنما ڈاکٹر پٹابی ستیہ رمیہ کے الفاظ کا نقل کرنا بھی میرے خیال سے بہتر ہوگا: ’’مسلمانوں نے ہمارے کلچر کو مالا مال کیا ہے اور ہمارے نظم و نسق کو مستحکم اور مضبوط بنایا نیز وہ ملک کے دور دراز حصوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں کامیاب ہوئے، اس ملک کے ادب اور اجتماعی زندگی میں ان کی چھاپ بہت گہری دکھائی دیتی ہے۔‘‘ (خطبہ صدارت انڈین نیشنل کانگریس اجلاس جے پور ۱۹۴۸ء بحوالہ ہندوستانی مسلمان، ص ۳۰)

یہ تھی مسلم حکمرانوں کی طرز حکومت اور اس کے بحر ذخار کے چند چھینٹے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ سمندر کو کوزہ میں سمونا انتہائی دشوار تر امر ہے۔ آج ہمارے اہل وطن ان حکمرانوں کے احسانات جس طرح بھی ہو فراموش کر دیں؛ لیکن ان کے لگائے ہوئے اس سدا بہار گلشن کی دلربائی سے اپنی آنکھ اور ان کے عطر بیز پھولوں سے اپنی ناک کب تک بند کریں گے جب کہ خود اسی باغ کے بلبل ہیں اور پرورش پا کر اس کی خوشبوؤں سے لہلہا رہے ہیں۔

مورخین کی دجل آفرینی اور اس کی پردہ دری

ہمارے بعض اہل وطن کی نگاہ میں تمام مسلم حکمرانوں میں سب سے بڑا مجرم سلطان اورنگ زیب ہے۔ اور اس پر عائد تمام جرائم میں سے سب سے بڑا جرم ’’ہندوؤں کے ساتھ تشدد اور ان کے منادر کو منہدم کر کے مساجد کی تعمیر ہے‘‘ لیکن اس خود تراشیدہ الزام کا حقیقت سے کس قدر تعلق ہے ہر وسیع النظر مورخ اس کے صحیح نتیجہ تک بڑی آسانی سے پہنچ سکتا ہے لیکن صد افسوس کہ بعض کوتاہ نظر مورخین جو متعصب یورپین کے اس بہکاوے پر کہ ’’کوے تمہارے کان لے جا رہے ہیں‘‘ تو یہ تنگ بیں مورخ بجائے اپنی عقل کو کام میں لاتے ہوئے اپنے اپنے کانوں کا جائزہ لیتے یکلخت

آج اگر ہم تعصب ونفرت کی دبیز تہہ کا آپریشن کر کے فرقہ واریت کی ہلاکت خیز بیماری سے نجات چاہتے ہیں اور ہندو مسلم ایکتا قائم کرنے کے خواہاں ہیں تو ہمیں یورپ کی دجل آفرینی جال سازیوں سے اپنی نگاہوں کو موڑ کر حق و انصاف کی صحیح کسوٹی اختیار کرنا ہوگی۔

کوے کی طرف بھاگ پڑے اور حقیقت سے بالکلیہ بے خبری کا ثبوت دیا حالانکہ عالمگیر سے انھیں مندروں اور مسجدوں کو نقصان پہنچا جو باغیوں کی پناہ گاہ بن چکی تھیں، اگر ایک طرف عالمگیر کے ہاتھوں متھرا اور بنارس کے مندروں کو (ظاہری) نقصان پہنچا تو دوسری طرف اسی نے بے جا پور کی جامع مسجد کو بھی زمین سے ملوا دیا نیز گولکنڈہ کی مسجدیں بھی اس زد میں آئیں جس کی شہادت ایک منصف مزاج ہندو مورخ ’’بی، این، پانڈے‘‘ کی تحریر میں دیکھی جا سکتی ہے۔ تحریر کرتے ہیں: ’’یہ بات بالکل غلط ہے کہ متھرا اور بنارس کے یا کہیں دوسری جگہ کے منادر کو توڑ کر مسجدیں تعمیر کرائیں۔‘‘ اب خود وہ مورخ اپنی فہم کو وسیع کرے جس نے بہار کے کالج میں داخل شدہ ایک کتاب میں صاف طور پر یہ سوال قائم کر دکھایا ہے کہ: ’’اورنگ زیب نے مندر منہدم کروا کر کون سی مسجد تعمیر کروائی‘‘ اور جناب پانڈے اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ آگے مزید گویا ہیں: مہا کال مندر (اجین)، بالا جی مندر (چتر کوٹ) کا ما کھیہ مندر (گوہاٹی) جین مندر (گرنار) گرودوارا رام رائے (دہرادون) وغیرہ کو (عالمگیر نے) جاگیر عطا کرتے وقت اس دعا کی ہدایت کی کہ اس کے خاندان میں تا قیامت حکومت بنی رہے۔‘‘ (بحوالہ عہد وسطیٰ میں مشترکہ تمدن اور قومی یکجہتی، ص ۱۵۶)

اسی طرح دیگر بعض مورخین نے محمود غزنوی پر بھی اپنا سارا نزلہ اتارا ہے اور اس کے اندر سب سے بڑی خامی یہ بتائی جاتی ہے کہ وہ ہندو کو زبردستی مسلمان بناتا تھا اور جو انکار کرتا تو اسے قتل کر دیتا تھا؛ لیکن اس سفید جھوٹ کا پردہ فاش راجا جے پال کے اس واقعے سے ہوتا ہے کہ جے پال کی ۵؍اگست ۱۰۰۱ء میں گرفتاری ہوئی اور سلطان محمود غزنوی نے پشاور کے میدان میں فتح حاصل کر کے راجا کو مع اس کے ۱۵ سردار کے اپنے ساتھ غزنی لے گیا اور مارچ ۲۰۰۱ء کو تقریباً آٹھ مہینے اپنے ہمراہ رکھنے کے بعد غزنی سے رخصت کیا؛ لیکن نہ تو اسے زبردستی مسلمان بنایا اور نہ ہی، مسلمان نہ ہونے کی صورت میں، اسے قتل کیا، تاریخ شاہد ہے کہ وہ صحیح و سالم غزنی سے واپس آیا۔ اس واقعے سے جہاں غلط فہمیوں کی جھوٹی عمارتیں منہدم ہوتی ہیں وہیں محمود کی بے پایاں شرافت اور عفو و درگذر کا بھی پتہ چلتا ہے۔

مذکورہ بالا تحریر سے ہر عقلمند شخص بآسانی یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ شاہانِ مسلم جب ہندوستان آئے تو اپنے ساتھ کیا لائے، ہندوستان پستی کی کس تہہ تک پہنچ چکا تھا اس کو بلندی کے کس معیار پر پہنچایا۔

سارے بادشاہ سرزمین ہند پر باغباں بن کر آئے اور اپنی بوقلمونی ذہن و افکار اور مذہبی قوت کو اس کی باغبانی اور اس کو خوشگوار بنانے میں صرف کیا، بقدر ضرورت زمین بھی کریدی اور خس و خاشاک کو صاف کر کے از سر نو ایک شاندار اور متنوع گلوں کی پھلواری قائم کی، ہر طرح اس کی آبیاری کی اور اس کے وہ پھول جو صدیوں سے طبقہ واریت، دیوتاؤں کی کثرت اور نفسانیت و رہبانیت کے بادِ سموم جھلس رہے تھے کو نئی زندگی عطا کی اور پھلنے پھولنے کی مکمل راہیں ہموار کیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ آج اگر ہم تعصب ونفرت کی دبیز تہہ کا آپریشن کر کے فرقہ واریت کی ہلاکت خیز بیماری سے نجات چاہتے ہیں اور ہندو مسلم ایکتا قائم کرنے کے خواہاں ہیں تو ہمیں یورپ کی دجل آفرینی جال سازیوں سے اپنی نگاہوں کو موڑ کر حق و انصاف کی صحیح کسوٹی اختیار کرنا ہوگی، اور تعصب و اختراعات سے بالاتر ہو کر نسل جدید کے سامنے اپنے ملک و وطن کی صحیح تاریخ پیش کرنا ہوگی۔ جبھی ہمارا بابِ ہند کے دو پاٹ بننا ممکن ہو سکے گا تا کہ ہمارے اصل دشمن جو ہمیں باہم لڑانا چاہتے ہیں کو منھ کی کھانی پڑے، اور جس طرح ہم پہلے سے ہندی رہے ہیں آئندہ بھی ہندی ہی رہیں۔ ❑❑

ریاستہائے متحدہ امریکہ کا نظام حکومت (۳۲)

برطانوی کمیٹیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر اس بل کو جو ان کے پاس بھیجا جائے دارالعوام کو واپس کریں لیکن ریاستہائے متحدہ میں جب تک ایوان ان بلوں کو واپس نہ مانگے اس وقت تک وہ کمیٹی کے پاس پڑے رہیں گے۔ اس طرح بہت سے بلوں کو کمیٹیاں بالکل ختم کر دیتی ہیں۔ مستقل کمیٹیوں کے علاوہ مخصوص کمیٹیاں بھی ہوتی ہیں جن میں تفتیش (Investigetion) کمیٹی خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ یہ کمیٹی صدر کے نظم و نسق (Administration) کی خرابیوں اور بدعنوانیوں کو بے نقاب کرتی ہے اور اس کا ملک کی سیاست پر بڑا گہرا اثر ہے۔ دوسری مخصوص کمیٹی کانفرنس کمیٹی ہے جو کانگریس کے دونوں ایوانوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس میں ہر بل کے محرک بھی شامل ہوتے ہیں۔ یہ کمیٹی بلوں کے بارے میں دونوں ایوانوں کے مابین اختلافوں کو دور کرنے کے لیے بنائی جاتی ہے۔ اگر یہ کمیٹی سمجھوتہ کرنے میں ناکام رہے تب پھر بل ختم ہو جاتا ہے۔ اگر سمجھوتہ ہو جاتا ہے تب اس کی اطلاع دونوں ایوانوں کو دی جاتی ہے اور عام طور سے اس سمجھوتے کو دونوں ایوان منظور کر لیتے ہیں۔

قانون سازی کا ضابطہ: عام بل کانگریس کے اجلاس میں پیش کیے جا سکتے ہیں لیکن مالی بل پہلے صرف ایوان ہی میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ بل کو ایک ایوان سے پاس ہونے کے لیے مندرجہ ذیل مرحلوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ سینیٹ کا کوئی ممبر کسی بھی بل کو سینیٹ کے سکریٹری یا اس ایوان کا کوئی ممبر ایوان کے کلرک کے حوالے کر کے اسے پیش کر سکتا ہے۔ اس کے بعد یہ بل شائع کر دیا جاتا ہے اور اس کی کاپیاں ممبروں کو دی جاتی ہیں۔ اہم بل متعلقہ کمیٹیوں کے چیئرمینوں کے ناموں سے پیش کیے جاتے ہیں۔

گاھے گاھے باز خواں......

ہفت روزہ الجمعیۃ ۱۶ سال پہلے

ماضی کے جھروکوں سے حال پر روشنی ڈالتے ہوئے مستقبل کا اشاریہ!

ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی
۷؍تا ۱۳؍اپریل ۲۰۰۶ء

نیشنل جوڈیشیل کمیشن بل
یوپی اے حکومت کا ایک مستحسن قدم

عدلیہ پر کرپشن کے الزامات کے بعد مرکز کی یوپی اے حکومت نے پارلیمنٹ میں ایک نیشنل جوڈیشیل بل پیش کیا تھا جس پر ہفت روزہ الجمعیۃ کے مدیر تحریر ایم ایس جامعی نے ایک اداریہ تحریر کیا تھا جو حسب ذیل ہے۔

گذشتہ کئی سالوں سے سیاست دانوں کے ساتھ ساتھ عدلیہ پر بھی کرپشن اور بدعنوانی کے الزامات لگ رہے ہیں جس سے عمومی طور پر صاف و شفاف شبیہ کے حامل جمہوریت کے اس ستون کا چہرہ بھی داغدار ہو گیا ہے اور شاید یہ ہی وجہ ہے کہ ابھی چند دن پہلے وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ نے وزرائے اعلیٰ اور ہائی کورٹوں کے ججوں کی ایک کانفرنس میں عدلیہ میں روز بروز بڑھتے ہوئے کرپشن پر اظہارِ تشویش کرتے ہوئے کہا تھا کہ عدلیہ کے تعلق سے بدعنوانیوں کے الزامات سے عوام میں کافی بے چینی اور تشویش پائی جاتی ہے جس پر توجہ دی جانی چاہیے۔ اس سے پہلے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر وائی کے سبھروال نے بھی کہا تھا کہ حالیہ دِنوں میں کچھ اہم معاملات میں جرائم سے متعلق عدالتی نظام کی ناکامی کے سبب عوام کی ناراضگی سامنے آئی ہے جو ججوں کی ضابطہ شکنی کے سبب ہی ممکن ہے جس کے پس پشت دولت یا سفارش ہی ہو سکتی ہے اور یہ عدلیہ پر ایک ایسا داغ ہے جس کو سخت قدم اُٹھا کر ہی صاف کیا جا سکتا ہے۔ گذشتہ پانچ سالوں کے دوران عدلیہ میں کرپشن اور ضابطہ شکنی کا ایک واقعہ اس وقت سامنے آیا تھا جب پنجاب و ہریانہ ہائی کورٹ کے بعض ججوں کی طرف سے ایک ایسے کلب کی رکنیت حاصل کرنے پر جس کے خلاف ہریانہ، پنجاب ہائی کورٹ میں مقدمہ زیر سماعت تھا ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کی طرف سے ججوں سے جواب طلب کرنے پر اس ہائی کورٹ کے ججوں نے ہڑتال کر دی تھی۔ عدلیہ میں ہڑتال کا یہ پہلا واقعہ تھا، اس کے بعد سالٹ لیک اینڈ الاٹمنٹ اسکینڈل میں ملوث ہونے کے الزام میں سپریم کورٹ نے مغربی بنگال ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر پی پی بنرجی کو ان کے عہدہ سے برطرف کر دیا تھا۔ بعض الزامات کے تحت ممبئی ہائی کورٹ کے ایک چیف جسٹس اور راجستھان ہائی کورٹ کے ایک جج کو بھی اپنے عہدہ سے ہاتھ دھونا پڑ چکا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ عدلیہ میں کرپشن اور بدعنوانیاں مسلسل بڑھتی جا رہی ہیں۔ اس سچائی سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جج صاحبان بھی اسی سوسائٹی کا ایک حصہ ہیں جس میں آج ہر سطح پر بدکرداری اور بدعنوانی کا بول بالا ہے۔ البتہ سوسائٹی کے دوسرے لوگوں کے علی الرغم ان سے یہ امید ضرور کی جاتی ہے کہ وہ انصاف کی کرسی پر بیٹھ کر نہ صرف خود کو جرائم اور بدعنوانیوں سے دور رکھیں گے بلکہ سوسائٹی سے بھی برائیوں کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے اور پھر اس امید کے بعد اگر کوئی جج کسی جرم یا بدعنوانی میں مبتلا ہوتا ہے تو عوام کی شرمندگی اور تشویش ایک فطری بات ہی ہوگی اس لیے کہ کوئی بھی بے ایمان جج نہ صرف خود اپنی بے عزتی کرتا ہے بلکہ پورے عدالتی نظام پر ہی سوالیہ نشان لگانے کا سبب بھی بنتا ہے۔ اس پس منظر میں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر سبھر وال کا یہ تبصرہ سو فیصد درست ہے کہ ’’سماج بجا طور پر کسی بھی جج سے ایمانداری کی توقع رکھتا ہے اور اگر کوئی جج سماج کی اس توقع اور امید کو پامال کرتے ہوئے کسی بدعنوانی کا مرتکب ہوتا ہے تو اس سے کسی بھی حالت میں نہ تو چشم پوشی کی جا سکتی ہے اور نہ ہی اس کے لیے کوئی قانونی بنیاد فراہم کی جا سکتی ہے۔

یہ بات خوش آئند ہے کہ مرکز کی یوپی اے حکومت نے عدلیہ کو کرپشن سے پاک رکھنے کے لیے ایک قانون بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے اس کے لیے وہ پارلیمنٹ میں ’’نیشنل جوڈیشل کمیشن بل‘‘ پیش کرنے کا ارادہ رکھتی ہے جس کی تیاری کے لیے وزارت قانون کو ہدایت دے دی گئی ہے اور وزارت قانون کے اعلیٰ حلقوں کی اطلاع کے مطابق بل کا مسودہ تقریباً تکمیل کے مراحل میں ہے اور امید ہے کہ آنے والے اجلاس میں یہ بل پارلیمنٹ کی میز پر آ جائے گا۔ اور اگر پارلیمنٹ اسے منظور کر لیتی ہے تو یہ صدرِ جمہوریہ کے دستخطوں کے بعد قانون کی شکل اختیار کر لے گا۔ نیشنل جوڈیشل کمیشن بل کے مطابق قانون ساز اداروں کے لیے الیکشن لڑنے والوں کی طرح ججوں کے لیے بھی یہ لازمی ہو جائے گا کہ وہ اپنے مفوضہ عہدوں کا حلف لیتے وقت اپنے اثاثوں کی تفصیل پیش کریں۔ مجوزہ قانون کے تحت اگر کسی جج کے خلاف الزامات ہوں اور ان کی تحقیقات چل رہی ہو تو وہ اس دوران اپنے مفوضہ عہدوں کی ذمہ داریاں ادا نہیں کر سکے گا اور اس پر کسی بھی طرح کا کوئی عدالتی کام کرنے کی پابندی عائد ہوگی اور جب تک ’’نیشنل جوڈیشل کمیشن‘‘ اسے بے قصور قرار نہیں دیدے گا وہ کسی بھی مقدمہ کی سماعت نہیں کر سکے گا۔ اس کمیشن کا چیئرمین سپریم کورٹ کا چیف جسٹس ہوگا اور دوسرے چار ارکان بھی سپریم کورٹ کے جج ہوں گے۔

بعض سیاسی اور عدالتی حلقوں کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ اس سے عدالتوں کا آزادانہ نظام متاثر ہو سکتا ہے مگر بل میں بظاہر ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے یہ محسوس ہو کہ عدلیہ کے آزادانہ طور پر کام کرنے میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے۔ یا اس کے اختیارات کو محدود کیا جا رہا ہے۔ اس بل کا مقصد صرف عدالتی نظام کو کرپشن اور بدعنوانیوں سے پاک کرنا ہے جس کا اظہار نہ صرف وزیر اعظم بلکہ خود عدالت عظمیٰ کی طرف سے بھی متعدد بار کیا جا چکا ہے اس لیے بجا طور پر توقع کی جا سکتی ہے کہ عدلیہ کو کرپشن سے نجات دلانے کے لیے مجوزہ قانون کے مثبت اثرات و نتائج سامنے آئیں گے۔ عدلیہ میں عوام کا اعتماد بحال ہوگا اور ملک کے عدالتی نظام کو شرمسار ہونے سے بچایا جا سکے گا۔ ہمارے خیال میں دیر سے ہی سہی حکومت نے عدلیہ کی تصویر کو بہتر بنانے کے لیے ’’نیشنل جوڈیشل کمیشن‘‘ بل لانے کا جو فیصلہ کیا ہے اس کے دُور رس اور اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔ اس بل کا ایک قابل تحسین پہلو یہ ہے کہ اس کے لیے جو کمیشن بنائی جائے گی اس سے سیاستدانوں اور نوکر شاہوں کو دور رکھا گیا ہے اور اس کے چیئرمین اور ارکان سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اور سینئر جج صاحبان ہی ہوں گے۔ اس طرح حکومت نے عدلیہ کی شبیہ کو بہتر بنانے کی ذمہ داری خود عدلیہ کے ہی سپرد کر دی ہے تا کہ وہ ’’اپنی اصلاح خود‘‘ کے اصول پر عمل کرتے ہوئے عدالتی نظام میں در آئی خرابیوں سے بلا کسی سیاست کا شکار ہوئے اسے پاک کر سکے۔ یہ بات قابل اطمینان ہے کہ عدلیہ کو اس کے بہت سے نقائص کے باوجود عوام کا آج بھی اعتماد حاصل ہے۔ یہ ایک اچھی علامت ہے کیونکہ اگر عدالتی نظام میں حقیقت پسندی اور شفافیت کی کمی ہو تو کوئی بھی جمہوری نظام ٹھیک سے نہیں چل سکتا۔ عدلیہ کی تعریف و تحسین میں بہت کچھ کہا جاتا ہے جس میں بہت کچھ صحیح بھی ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے عدلیہ اس تحسین کی مستحق بھی ہے لیکن موجودہ حالات کا تقاضہ ہے کہ خود احتسابی کے عمل کو زندہ کیا جائے تا کہ عدلیہ بھی ہماری جمہوری زندگی میں اپنا واضح اور مؤثر رول ادا کر سکے اسی کے لیے سماج کے ہر حلقہ میں یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ عدلیہ کے اعلیٰ معیار کی برقراری اور اس نظم و ضبط کے استحکام کے لیے کوئی مؤثر راہ تجویز کی جائے اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ ’’نیشنل جوڈیشل کمیشن‘‘ کا قانون اس سلسلہ میں ایک سنگ میل ثابت ہوگا۔

عالمِ اسلام

اقاموں اور خروج وعودہ ویزوں میں ۳۱/مارچ تک توسیع

خادم حرمین شریفین شاہ سلمان بن عبدالعزیز کی ہدایت پر محکمہ پاسپورٹ نے بیرون مملکت پھنسے ہوئے مقیم غیر ملکیوں کے اقاموں اور خروج وعودہ ویزوں (ایگزٹ ری انٹری) میں ۳۱/مارچ تک توسیع کی کارروائی شروع کی ہے۔شاہی ہدایت پر یہ توسیع مقابل مالی اور فیس کے بغیر کی جارہی ہے۔ سرکاری خبر رساں ایجنسی ایس پی اے کے مطابق محکمہ پاسپورٹ نے بیان میں کہا کہ اقاموں اور خروج وعودہ ویزوں میں توسیع خودکار سسٹم کے تحت ہوگی اور یہ کام نیشنل انفارمیشن سینٹر کے تعاون سے کیا جائے گا۔غیر ملکیوں یا ان کے اسپانسرز کو محکمہ پاسپورٹ کے دفاتر آنا ہوگا نہ بیرون مملکت سعودی سفارتخانوں یا قونصلیٹ سے رجوع کرنا ہوگا۔ بیان میں محکمہ پاسپورٹ نے بتایا کہ بیرون مملکت موجود ان مقیم غیر ملکیوں کے اقاموں اور خروج و عودہ ویزوں میں توسیع ہوگی جو ایسے ممالک میں قیام پذیر ہوں گے جہاں سے کورونا وبا کے باعث مملکت آمد پر پابندی لگی ہوئی ہے۔اس توسیع سے وہ مقیم غیر ملکی مستثنیٰ ہوں گے جو مملکت سے نکلنے سے قبل یہاں کورونا ویکسین کی ایک خوراک لے چکے ہوں گے۔

حوثی امن وسلامتی کیلئے خطرہ ہیں، عالمی برادری متحرک ہو

سعودی عرب نے ملک کے جنوبی علاقے کے علاوہ ابوظہبی پر حوثی ملیشیا کے حملوں کی سخت الفاظ میں مذمت کی ہے۔سبق ویب سائٹ کے مطابق وزارت خارجہ نے کہا ہے کہ ایران نواز ملیشیا کی طرف سے شہری آبادی، نجی املاک اور سرکاری تنصیبات کو نشانہ بنانے کی کوششیں دہشت گردی ہیں۔ سعودی عرب نے عالمی برادری سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ حوثیوں کی جنگی روش کو روکنے کے لیے کردار ادا کرنا چاہئے۔ سعودی عرب نے کہا ہے کہ حوثی عالمی امن وسلامتی کے لیے خطرہ ہیں، ضروری ہے کہ عالمی برادری حوثیوں کے دشمنی پروررئیے کی روک تھام کے لیے متحرک ہو۔

کھارے پانی کو قابل استعمال بنانیوالے تیرتے پلانٹ کا افتتاح

سعودی عرب نے کھارے پانی کو استعمال کے قابل بنانے والے دنیا کے سب سے بڑے تیرتے پلانٹ کا افتتاح کیا ہے۔اس سے سعودی عرب میں پانی کی فراہمی میں بڑی سہولت ہوگی۔ العربیہ نیٹ کے مطابق سعودی عرب نے مغربی ساحل پر واقع الشقیق بندرگاہ کے قریب کھارے پانی کو استعمال کے قابل بنانے والا پہلے تیرتے پلانٹ کا افتتاح کیا ہے۔ وزارت ماحولیات و پانی وزراعت مملکت کے تمام علاقوں میں پانی کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لیے متعدد منصوبے نافذ کررہی ہے۔ یہ ان میں سے ایک ہے۔ گورنر جازان شہزادہ محمد بن ناصر نے نئے منصوبے کا افتتاح وزیر ماحولیات و پانی وزراعت عبدالرحمٰن الفضلی، کھارے پانی کو استعمال کے قابل بنانے والے قومی ادارے (ایس ڈبلیو سی سی) کے گورنر عبداللہ بن عبدالکریم کی موجودگی میں افتتاح کیا۔ نئے پلانٹ سے یومیہ ڈیڑھ لاکھ مکعب میٹر پانی حاصل ہوگا۔ ایس ڈبلیو سی سی کھارے پانی کو استعمال کے قابل بنانے کے لیے تیرتے پلانٹس قائم کرنے کی پالیسی پر گامزن ہے۔ ایس ڈبلیو سی سی اس طرح کے تین پلانٹس قائم کر چکا ہے۔ گورنر عبداللہ العبدالکریم نے بتایا کہ ہمیں اپنے منصوبے نافذ کرنے کے لیے حکومت سے غیر معمولی مدد مل رہی ہے۔

صرف مسلم کا محمدؐ پہ اجارہ تو نہیں (۳)

تحریر: مولانا سیّد آصف ملّی ندوی

ڈاکٹر مائیکل ایچ۔ ہارٹ، ایک امریکی تاریخ دان اور ماہر فلکیات ہے۔ وہ ۲۸/اپریل ۱۹۳۲ء کو نیو یورک سٹی میں پیدا ہوئے۔ مائیکل ہارٹ نے ایڈلفی یونیورسٹی سے فزکس میں ماسٹر اور پرنسٹن یونیورسٹی سے علم فلکیات میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کیں۔طویل مدت تک ناسا کے ساتھ مختلف پروجیکٹس پر کام کیا۔سسٹم اینڈ اپلائیڈ سائنس کارپوریشن کے ساتھ بطور سائنسدان منسلک رہے۔ امریکن فلکیات سوسائٹی کے رکن رہے۔ مختلف سائنسی موضوعات پر ان کی متعدد کتابیں اور مضامین شائع ہوچکے ہیں۔

مائیکل ایچ ہارٹ نے ایک کتاب تالیف کی ہے جس کا نام اس نے The 100 A Ranking of the most influential Persons in History رکھا ہے۔اس کتاب میں اس نے تاریخ انسانی کی ایک سو مؤثر ترین شخصیات کی فہرست مرتب کی ہے۔ اور اس نے اس فہرست میں حضورؐ کا نام سرفہرست رکھا ہے۔ اس نے حضور کو تاریخ کی مؤثر ترین شخصیت کے طور پر منتخب کرنے کی وجہ یہ بتائی ہے، وہ کہتا ہے: میرا یہ انتخاب کہ محمدؐ دنیا کی تمام انتہائی بااثر شخصیتوں میں سرفہرست ہیں، کچھ قارئین کو اچنبھے میں ڈال سکتا ہے۔ کچھ اور لوگ اس پر معترض ہوسکتے ہیں۔ مگر محمدؐ تاریخ کے واحد شخص تھے جنہوں نے اعلیٰ ترین مذہب کی بنیاد رکھی اور اس کو پھیلایا، وہ انتہائی مؤثر سیاسی لیڈر بن گئے۔ ان کی وفات کے تیرہ صدیوں بعد آج بھی ان کے اثرات غالب اور طاقتور ہیں۔اس کتاب میں جن اہم تاریخی شخصیتوں کا انتخاب کیا گیا ہے ان کی اکثریت اس خوش قسمتی کی مالک تھی کہ وہ تہذیب کے مرکزوں میں پیدا ہوئی اور وہاں پلی بڑھی۔ وہ ایسی قوموں کے فرد تھے جن میں اعلیٰ تمدن تھا یا ان کو سیاسی مرکزیت حاصل تھی۔ مگر محمدؐ ۵۷۰ء میں مکہ کے شہر میں پیدا ہوئے جو جنوبی عرب میں واقع تھا۔اور اس وقت دنیا کا ایک پسماندہ علاقہ سمجھا جاتا تھا۔ تجارت، آرٹ اور علم میں اس کو کوئی مرکزیت حاصل نہ تھی۔ چھ سال کی عمر میں یتیم ہوکر ان کی پرورش ایک معمولی ماحول میں ہوئی۔ اسلامی روایات مزید بتاتی ہے کہ وہ بے پڑھے لکھے تھے۔ محمدؐ نے تاریخ انسانیت پر جو بے مثال دینی و دنیوی اثرات ڈالے ہیں وہ میری نظر میں انہیں اس بات کا مستحق قرار دیتے ہیں کہ انہیں تاریخ انسانی کی مؤثر ترین شخصیت قرار دیا جائے۔ (تجلیات سیرت، ص ۵۹)۔

Hero And Hero Worship

مشاہیر اور مشاہیر پرستی۔ دراصل انیسویں صدی کے ایک معروف برطانوی ادیب تھامس کارلائل کے متعدد خطبات کا مجموعہ ہے جنہیں اس نے لندن میں شخصیت اور شخصیت پرستی کے عنوان پر دیا تھا، ان خطبات میں ایک لیکچر ہیرو بحیثیت پیغمبر کے عنوان پر دیا گیا تھا جس کے متعلق یہ بات معروف ہے کہ جس وقت کارلائل کو ہیرو بحیثیت پیغمبر کے عنوان پر لیکچر دینا تھا تو ہر شخص یہ امید لگائے بیٹھا تھا کہ وہ اپنے لیکچر میں بطور ہیرو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انتخاب کرے گا۔ مگر کارلائل نے اپنے لیکچر میں بطور ہیرو نبی کریم کو منتخب کیا تو اکثر سامعین چیں بجبیں ہوگئے، مگر جب کارلائل نے نبی کریمؐ کی حیات طیبہ کو دلائل کے ساتھ بیان کرنا شروع کیا تو آپ کی مستند ومدلل سیرت پاک کو سن کر وہ لوگ عش عش کرنے لگ گئے۔ یہ لیکچر مستقل کتاب کی صورت میں تو اس عاجز کی نظر سے نہیں گذرا ہے، تاہم محمد یحیٰ خان صاحب نے اپنی کتاب 'پیغمبر اسلام غیر مسلموں کی نظر میں' میں اس لیکچر (ہیرو بحیثیت پیغمبر) کا مکمل ترجمہ پیش کیا ہے جو الحمدللہ اس عاجز کی نظر سے گذر چکا ہے۔ تھامس کارلائل نے اپنے اس خطاب میں متعصب پادریوں کی طرف سے سرور عالمؐ پر لگائے گئے ایک ایک الزام کا جواب دیا ہے۔ جناب یحییٰ خان صاحب نے لیکچر کے ترجمہ سے قبل تھامس کارلائل کا مختصر تعارف بھی تحریر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: ٹامس کارلائل برطانیہ کے شہرہ آفاق ادیب اور فلسفی تھے۔ وہ ۱۷۹۵ء میں اسکاٹ لینڈ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش اور تعلیم پائی۔ ابتدائی تعلیم ایک معمولی سے دیہی اسکول میں حاصل کی اور ۱۸۰۹ء میں ایڈنبرا یونیورسٹی میں داخل ہوگئے۔ چار سال تک یونیورسٹی کے ماحوم میں رہنے کے باوجود ڈگری حاصل نہ کرسکے کیونکہ مروجہ علوم ان کے مزاج سے مناسبت نہیں رکھتے تھے۔ ایک مذہبی تعلیمی مدرسہ میں داخل ہوئے کچھ عرصہ شبانہ وروز محنت کرتے رہے مگر پادریوں کے رویّہ سے بدظن ہوکر اس سلسلہ کو بھی خیر باد کہہ دیا۔ ذریعہ معاش کے لئے ایک اسکول میں ملازمت اختیار کرلی۔ نئی نسل کے ذہنوں کی آبیاری کرتے رہے، وائس پرنسپل کے عہدے تک پہنچ گئے۔ اس مضطرب روح کو آخر مطالعہ کی دنیا میں قرار آیا۔ ۱۸۴۰ء میں انہوں نے مشاہیر عالم پر معرکۃ الآراء مقالے لکھے جن کا مجموعہ "Hero And Hero Worship" کے عنوان سے ۱۸۴۱ء میں شائع ہوا، جس میں حضرت محمدؐ کے انقلابی کردار پر انہوں نے اپنے فاضلانہ خیالات کا اظہار کیا اور اس عمل میں بعض حلقوں کی خفگی مول لی مگر ساتھ ہی دوسرے حلقوں میں انہیں بے پناہ داد بھی ملی۔ (محمد یحیٰ خان۔ پیغمبر اسلام غیر مسلموں کی نظر میں۔ صفحہ نمبر ۲۰)

برنارڈ شا

برطانوی مفکر اور مؤرخ برنارڈ شاء کہتا ہے: مجھے یقین ہے کہ اگر آج دنیا کی قیادت محمد جیسے کسی آدمی کے ہاتھ میں دیدی جائے تو وہ دنیا کو درپیش تمام مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہوجائے اور اسے امن، سلامتی اور سعادت کا گہوارہ بنادے۔ (الاسلام والمستشرقون۔ صفحہ ۳۴۶)

تلک عشرۃ کاملۃ۔ یہ میرے آقا رسالت مآب کی سیرت طیبہ وحیات مبارکہ پر غیر مسلم سیرت نگاروں کی جانب سے لکھی گئیں ان دس کتابوں کا اجمالی تذکرہ ہے جو اس عاجز کی نظر سے گذر چکی ہیں، میں نے اس مختصر مضمون میں (نبی کریمؐ غیر مسلموں کی نظر میں) کے عنوان پر لکھی گئیں متعدد کتابوں میں درج کئے گئے ان سینکڑوں غیر مسلم دانشوروں اور محققین کی کتابوں کے تعارف یا ان کے تاثرات کو زینت تحریر بنانے سے گریز کیا ہے جن کے براہِ راست مطالعہ سے یہ عاجز محروم رہا ہے۔ یار زندہ صحبت باقی۔

اب میں اخیر میں اپنے آقا رسالت مآبؐ کی شانِ اقدس میں ہندو شعرا کے نذرانۂ عقیدت کے چند نمونے پیش کرکے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ ہندو شعراء کی آپؐ سے محبت و وارفتگی کے پس منظر کی تاریخ وتفصیل اور آپ کی شانِ اقدس میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنے والے ہندو شعراء کی تعداد وفہرست اتنی طویل ہے کہ بلا مبالغہ ہزار ہا صفحات پر مشتمل کئی جلدوں میں بھی یہ تذکرہ سما نہیں سکتا۔ بہت سارے عالی حوصلہ وبلند ہمت اصحابِ قلم نے جذبۂ عشقِ رسول سے سرشار ہوکر ہندو شعراء کے اس بحرِ بیکراں میں دیوانہ وار غوطہ زنی کرکے سینکڑوں آبدار موتیوں کو منتخب کرکے ان کا ایک روشن وتابناک انتخاب پیش کیا ہیں۔ اس دشت کے شناورں میں ایک نمایاں نام جناب نور احمد میرٹھی صاحب کا ہے جنہوں نے 'غیر مسلم نعت گو شعراء کا عالمی تذکرہ ونعتیہ کلام' کے نام سے تقریباً ایک ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل غیر مسلم شعراء کے حالات اور ان کے نعتیہ کلام کا ضخیم ترین انتخاب پیش کیا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم اس کتاب اور صاحبِ کتاب سے متعلق اپنی وقیع رائے پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہے: "نعت کے اس نرالے مجموعے کو پڑھ کر اس سے بہرہ اندوز ہونے والے تو بہت ہوں گے لیکن یہ احساس بہت کم لوگوں کو ہوگا کہ اس خوانِ نعمت کے سجانے میں میزبان نے محنت ومشقت کے کتنے پہاڑ عبور کئے ہیں" (بہر زماں بہر زباں، صفحہ نمبر ۱۲۸)۔ کتاب کے آغاز میں غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری: تاریخ و تجزیہ کے عنوان سے بہترین تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

> **جس وقت کارلائل کو ہیرو بحیثیت پیغمبر کے عنوان پر لیکچر دینا تھا تو ہر شخص یہ امید لگائے بیٹھا تھا کہ وہ اپنے لیکچر میں بطور ہیرو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انتخاب کرے گا۔ مگر کارلائل نے اپنے لیکچر میں بطور ہیرو نبی کریم کو منتخب کیا تو اکثر سامعین چیں بجبیں ہوگئے، مگر جب کارلائل نے نبی کریم کی حیات طیبہ کو دلائل کے ساتھ بیان کرنا شروع کیا تو آپ کی مستند و مدلل سیرتِ پاک کو سن کر وہ لوگ عش عش کرنے لگ گئے۔**

اسی تجزیئے میں مصنف رقمطراز ہے: غیر مسلموں کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے جب اردو شاعری کے مختلف ادوار کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ہر دور میں قابلِ ذکر شاعروں کی اچھی خاصی تعداد نمایاں نظر آتی ہے۔ دورِ متوسطین میں پہلے غیر مسلم شعرا منشی شنکر لال ساقی اور راجا مکھن لال مکھن اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں، ان دونوں شاعروں نے نعت گوئی میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ دورِ جدید کے شعرا میں علامہ امرچند قیس جالندھری، پروفیسر جگن ناتھ آزاد، پیارے لال رونق دہلوی، کالیداس گپتا رضا، کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، اوم پرکاس ساحر ہوشیار پوری، گرن سرن لال ادیب لکھنوی، رانا بھگوان داس بھگوان، چھمی نرائن سخا میرٹھی اور دامودر ذکی ٹھاکور نے برصغیر کی سطح پر شہرت حاصل کی۔ ان کے علاوہ الّن جون مخلص بدایونی پہلے مسیحی شاعر ہیں جن کا ہدیۂ عقیدت گلدستۂ نعت" ۱۹۳۹ء میں بدایوں سے شائع ہوا اور دوسرے مسیحی شاعر نذیر قیصر ہیں جن کا مجموعہ نعت 'ائے ہوا مؤذن ہو' لاہور سے ۱۹۹۲ء میں منظر عام پر آیا۔

ادارہ فروغِ اردو لاہور سے مرحوم محمد طفیل صاحب کی ادارت میں شائع ہونے والے عالمی شہرت یافتہ ادبی مجلّہ ماہنامہ نقوش (جس نے ماضی قریب میں اقلیم زبان وادب پر اپنی بادشاہت و فرمانروائی کے انمٹ نقوش ثبت کئے ہیں) کے شہرہ آفاق خصوصی شمارہ رسول نمبر (جو ۱۳ ضخیم ترین جلدوں میں شائع ہوا ہے) کی دسویں جلد بطور نعت نمبر شائع کی گئی ہے جو تقریباً ۷۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس خصوصی نمبر میں اگرچہ غیر مسلم شعرا کا مستقل عنوان نہیں رکھا گیا ہے، تاہم نعت کی مختلف صنفوں مثلاً نعت شریف، درود وسلام، قصائد، مثنوی، مسدس، مخمس، نظم، رباعیات وقطعات کے تحت متعدد غیر مسلم ہندو وسکھ شعرا کے کلام کو شامل کیا گیا ہے جو ایک نہایت ہی وقیع ذخیرہ ہے اور اس عنوان پر غالباً سند کا درجہ رکھتا ہے۔

جامعہ احسن العلوم کراچی سے شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی زرولی خان صاحب قدس سرہ کی ادارت میں شائع ہونے والے ماہنامہ الاحسن کا ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ کا مشترکہ خصوصی شمارہ نعت نمبر کے عنوان سے شائع کیا گیا ہے۔ اس شمارے میں عہدِ نبوی سے لے کر عہدِ رواں تک کے ہر دور کے مختلف زبانوں کے شعراء کرام کی نعتوں کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔ مختلف ادوار اور مختلف طبقات کی اس فہرست میں دو عنوان (ہندو شعرا کا نعتیہ کلام) اور (سکھ شعرا کا نعتیہ کلام) بھی ہیں جن کے تحت متعدد ہندو اور سکھ شعرا کرام کی زبانِ قلم سے نہیں بلکہ خونِ دل سے لکھی گئیں نعتوں کا حسین وجمیل انتخاب پیش کیا گیا ہے۔

یادش بخیر! حضرت مولانا مفتی سید سلمان منصور پوری دامت برکاتہم کی زیر ادارت شائع ہونے والے جامعہ قاسمیہ شاہی مراداباد کے ترجمان ماہنامہ (ندائے شاہی) کی ایک خصوصی دستاویزی یادگار اشاعت نعت النبی نمبر کے نام سے پہلی مرتبہ غالباً اکتوبر ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئی تھی، اس عاجز کے پیش نظر اس کا تیسرا ایڈیشن ہے جو اپریل ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا تھا، اس جدید ایڈیشن کے ایک عنوان 'عرضِ مرتب' (طبع جدید) کے تحت مرتبِ نعت النبی حضرت مولانا مفتی سید سلمان منصور پوری دامت برکاتہم جدید ایڈیشن کی ترتیبِ جدید اور تصحیح واضافہ سے متعلق کئے گئے مختلف امور کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک بات یہ تحریر فرماتے ہیں کہ غیر مسلم شعرا کے کلام والے حصہ کو بھی حذف کردیا گیا ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نعت النبی کے پہلے ایڈیشن میں غیر مسلم شعرا کا نعتیہ کلام بھی شامل کیا گیا تھا۔ کاش اس جدید ایڈیشن میں بھی اس کو برقرار رکھا جاتا تو کافی اچھا ہوتا۔□□

شمع ھدیٰ

قاضی اطہر مبارکپوری

سلام اس ذات پر جس کا لقب ہے فخرِ انسانی
سلام اس ذات پر آئی جو بن کر ظلِ سبحانی

سلام اس ذات پر جو باعثِ تکوینِ عالم ہے
سلام اس ذات پر جس کے سبب کونین کا دم ہے

سلام اس ذات پر جس کا تبسم روحِ میخانہ
سلام اس ذات پر جس کی نگاہیں جام وپیمانہ

سلام اس ذات پر جس کی ادا صبحِ حنیفانہ
سلام اس ذات پر جس کی ادائیں شامِ بتخانہ

سلام اس ذات پر جس کی صباحت فخرِ کنعانی
سلام اس ذات پر جس کی ہیں زلفیں سلکِ نورانی

سلام اس ذات پر روئے جوامت کی خطاؤں پر
سلام اس ذات پر جس نے دعائیں دیں جفاؤں پر

آرایس ایس اور ہندستان کی سیاسی پارٹیاں

تحریر: مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آر ایس ایس کو سیاست میں غیر معمولی دلچسپی ہے۔ ہندوستان آئینی اعتبار سے کیسا ملک ہو، اس کے دستوری ڈھانچہ کی شکل کیا ہو، ملک کی سیاسی و اقتصادی پالیسی کس نوعیت کی ہو وغیرہ سیاست کے تمام شعبوں کے بارے میں اس تنظیم کے اپنے مخصوص نظریات طے شدہ منصوبے اور متعینہ اصول ہیں جن کا اظہار اس کے سرسنگھ چالک اور دیگر اہم لوگ موقع بہ موقع کرتے رہتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی اگر وہ سیاسی نہیں تو پھر سیاسی کسے کہا جائے گا۔ پھر یہ بھی ایک زندہ حقیقت ہے کہ یہ تنظیم پورے طور پر فارشسٹ سیاسی نظریات سے متاثر جمہوریت کی بجائے آمریت کی حامی رہی ہے اور مضبوط تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ اس کے رہنماؤں نے ہٹلر اور مسولینی کے قومی و سیاسی نظریات سے براہ راست استفادہ کیا ہے اور ان سے بیحد متاثر ہیں۔ اس کے بڑے بڑے لیڈروں نے اٹلی اور جرمنی جاکر فاشزم کی تعلیم و تربیت حاصل کی ہے۔ چنانچہ ہندوسماج کو فوجی تربیت دینے کی ضرورت واہمیت کو انھوں نے اٹلی و جرمنی کے ماڈلوں کو دیکھنے کے بعد ہی محسوس کی آج ملک میں اس کی شاکھاؤں کا جو جال پھیلا ہوا ہے، وہ درحقیقت اسی فاشسٹ ذہنیت کی آبیاری کرتے ہیں اورانہی شاکھاؤں کے ذریعہ ہندوفاشزم کے زہریلے جراثیم نئی نسل کے اندر سرایت کیے جاتے ہیں۔

نہرو میموریل میوزیم لائبریری دلی میں ایسے متعدد ریکارڈ محفوظ ہیں جن میں ہٹلر اور مسولینی سے ان کے تعلقات کے ثبوت ہیں۔ اس ریکارڈ کے مطابق سنگھ کے بانی ہیڈ گیوار کے قریبی ساتھی، دوست اور مشہور ہندو وادی بی ایس منجے ہندوستان کے اولیں لیڈر ہیں جن کا اٹلی وجرمنی کے ان فاشسٹ حکمرانوں سے رابطہ ہوا۔ فروری، مارچ ۱۹۳۱ء میں گول میز کانفرنس سے واپسی پر منجے نے اٹلی کا سفر کیا۔ اور وہاں کے اہم فوجی اسکولوں اور تعلیمی اداروں کا بغور جائزہ لیا۔ اور اٹلی کے ڈکٹیٹر مسولینی سے بھی ملاقات کی۔ نیز اٹلی میں فاشزم کی تعلیم و تربیت کے لیے جو تنظیمیں اس وقت سرگرم عمل تھیں انہیں بھی قریب سے دیکھا چنانچہ منجے اپنی ڈائری میں ان تنظیموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان میں بللا تنظیم کا ڈھانچہ اوراس کا نظریہ مجھے پسند آیا اور میں اس سے بیحد متاثر ہوا۔ (اس موقع پر یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ اٹلی کی فوجی تنظیم نو کے لیے مسولینی نے خود اس تنظیم کو تشکیل دیا تھا) آگے منجے لکھتے ہیں فاشزم کا نظریہ کس طرح لوگوں کو اتحاد کے بندھن میں باندھ سکتا ہے اس کا پتہ اس تنظیم کے دیکھنے سے اچھی طرح لگ جاتا ہے۔ ہندوستان، خاص کر ہندو بھارت کو بھی ایسی تنظیموں کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر ہیڈ گیوار کی قیادت میں ہماری تنظیم راشٹریہ سویم سیوک سنگھ بھی اسی طرز پر بنی ہے۔ ڈاکٹر ہیڈ گیوار کی اس تنظیم کی ترقی اور پورے مہاراشٹر اوراس سے باہر اس کی توسیع کے لیے میں تاحیات سرگرم عمل رہوں گا۔ یہ بات اہل نظر سے مخفی نہیں ہے کہ آرایس ایس اور مسولینی کی بللا تنظیم کے طریق کار میں کافی حد تک یکسانیت پائی جاتی ہے۔ بلا تنظیم میں ۱۶ سے ۱۸ سال کے لڑکے لڑکیاں شامل کی جاتی ہیں۔ ان کی ہفتہ وار میٹنگیں ہوتی ہیں جہاں وہ لوگ جسمانی ورزشیں اور نیم فوجی مشقیں کرتے ہیں۔ آرایس ایس کی شاکھاؤں میں بھی یہی سب کچھ ہوتا ہے۔

یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ بی، جے ، پی کے بانی ڈاکٹر شیاما پرشاد مکھرجی نے جب نہرو کابینہ سے مستعفی ہوکر ایک قوم پرست پارٹی بنانے کا فیصلہ کیا تو انہوں نے اس وقت کے آرایس ایس کے سرسنگھ چالک گوروجی ہی سے کارکن مانگے تھے چنانچہ انہیں سویم سیوکوں کو لے کر مکھرجی نے باضابطہ طورپر بھارتیہ جن سنگھ کی تشکیل کی جس کے وہ خود صدر بنے اور پنڈت دین دیال اپادھیائے جنرل سکریٹری مقرر ہوئے۔

منجے اپنی ڈائری میں یہ بھی انکشاف کرتے ہیں کہ ۱۹/ مارچ ۱۹۳۰ء کو سہ پہر ۳ بجے میں مسولینی سے ملنے گیا۔ دروازہ تک آکرانھوں نے میرا پرتپاک استقبال کیا۔ دوران گفتگوانھوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ کیا میں نے ان کی یونین سٹی دیکھی، میں نے بتایا کہ میں ان کی قائم کردہ بلا تنظیم سے کافی متاثر ہوا ہوں، اور میں مانتا ہوں کہ اٹلی کو ایسی تنظیموں کی ضرورت ہے اور ہمارے ملک ہندوستان کو بھی۔ میں نے انھیں مقاصد کے تحت اپنے ملک میں بھی ایسی تنظیمیں قائم کی ہیں۔

ہندوستان واپس آکر منجے نے اپنے دوست ہیڈ گیوار کو کافی متاثر کیا جس کے نتیجے میں آرایس ایس نے اپنے پلیٹ فارم سے منجے کو فاشسٹ نظریات کی اشاعت و تبلیغ کی کھلی چھوٹ دیدی چنانچہ اسی سلسلہ میں ۳۱رجنوری ۱۹۳۴ء کو 'فاشزم اور مسولینی' کے عنوان سے ایک کانفرنس منعقد کی گئی جس کی صدارت خود ہیڈ گیوار نے کی تھی اور منجے نے اس میں افتتاحی تقریر کی تھی۔

اس کانفرنس کے چند ماہ بعد ۳۱/ مارچ ۱۹۳۴ء کو منجے، ہیڈ گیوار اور لالوگوکھلے کی ایک خفیہ میٹنگ ہوئی، جس میں گوکھلے نے یہ سوال اٹھایا کہ ہندوؤں کو کس تدبیر سے منظّم کیا جاسکتا ہے؟ اس کے جواب میں منجے نے کہا کہ ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں اس اتحاد کی بنیادیں پائی جاتی ہیں لیکن انھیں بروئے کار لانے کے لیے ضروری ہے کہ قدیم زمانے کے شیواجی یا جدید دور کے مسولینی یا ہٹلر جیسے کسی ہندو ڈکٹیٹر کے ہاتھوں میں ہندوستان کی باگ ڈور ہو۔ ہمیں اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک منصوبہ ترتیب دے کر اس کی تشہیر و تبلیغ کے لیے سرگرم عمل ہوجانا چاہیے۔

اسی منصوبہ کے مطابق منجے اوران کے ساتھیوں کی کوششوں سے ۱۹۳۴ء میں مسولینی کے فکری و عملی طرز پر بھونسلا ملٹری اسکول قائم کیا گیا اور دی سینٹرل ہندو ملٹری ایجوکیشن سوسائٹی کی تشکیل کے لیے فضا ہموار کرنے کا کام شروع کردیا گیا۔

آر ایس ایس کے بانی ہیڈ گیوار ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۱ء تک جس ہندو مہاسبھا کے سکریٹری رہے، ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۲ء تک ساورکر اس کے صدر رہے۔ جو اٹلی کے مسولینی کے مقابلہ میں جرمنی کے ہٹلر سے زیادہ متاثر تھے انھیں کے زمانہ میں مہاسبھا کی مسلم مخالفت کھل کر سامنے آئی اور یہ بات واضح ہوگئی کہ ان فاشسٹ تنظیموں کے نظریہ کے مطابق مادر وطن کے مبینہ دشمن کون ہیں۔

۱۴/اکتوبر ۱۹۳۸ء کو مالیگاؤں میں تقریر کرتے ہوئے ساورکر نے ہٹلر کی یہود دشمن پالیسی کو درست قرار دیتے ہوئے کہا ”ملک کی تعمیر اس کے اکثریتی فرقہ کو لے کر ہوتی ہے نہ کہ اقلیتی فرقہ کو لے کر اس لیے جرمنی میں یہودیوں کا کیا کام؟ اچھا ہوا کہ اقلیت ہونے کی بنا پر انھیں ملک بدر کردیا گیا۔“ اس کے تقریباً دو ماہ بعد ۱۱ردسمبر ۱۹۳۸ء کو ایک موقع پر انھوں نے کہا۔ ”جرمنی میں جرمن لوگوں کی تحریک قومی تحریک ہے جب کہ یہودیوں کی تحریک فرقہ پرستی پر مبنی ہے۔“

ان بیانات کی روشنی میں ہندوستانی اقلیتوں کے سلسلہ میں ان کے نظریہ کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ ہندوقوم پرستوں کے فاشسٹ نظریہ کی وضاحت نہرو میموریل میں محفوظ منجے کے اس خط سے بھی ہوتی ہے جو انھوں نے ”کھاپڑے“ کو لکھا تھا۔ اس میں منجے بڑی صراحت سے لکھتے ہیں: ”مسلمان شرارت پسند ہوگئے ہیں کانگریس ان کا مقابلہ کرنے کی بجائے ان کے آگے سرتسلیم خم کیے ہوئے ہے۔ اس لیے ہمیں گاندھی اور مسلمان دونوں سے لڑنا ہوگا، اس کے لیے آرایس ایس کا استعمال آسان اور مفید ہوسکتا ہے چرخے کا مقابلہ آخرکار رائفل سے ہی کرنا ہوگا۔“

یہ تاریخی شواہد صاف بتارہے ہیں کہ آرایس ایس اور ہندو مہاسبھا جیسی تنظیمیں خالص سیاسی پارٹیاں ہیں اور یہ تنظیمیں ہٹلر اور مسولینی جیسے ڈکٹیٹروں کو جنھیں پوری دنیا نے مسترد کردیا ہے اپنا آئیڈیل مانتی ہیں اور تشدد وجارحیت کے ذریعہ ہندوستانی اقلیتوں کو پامال اور مادر وطن سے انھیں باہر نکال پھینکنا ان کا بنیادی مقصد ہے۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ کل کی جن سنگھ اور آج کی بھارتیہ جنتا پارٹی بھی دراصل آرایس ایس ہی کا سیاسی حصہ ہے۔ ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والوں سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ بی، جے، پی کے بانی ڈاکٹر شیاما پرشاد مکھرجی نے جب نہرو کابینہ سے مستعفی ہوکر ایک قوم پرست پارٹی بنانے کا فیصلہ کیا تو انھوں نے اس وقت کے آرایس ایس کے سرسنگھ چالک گوروجی ہی سے کارکن مانگے تھے چنانچہ انھیں سویم سیوکوں کو لے کر مکھرجی نے باضابطہ طور پر بھارتیہ جن سنگھ کی تشکیل کی جس کے وہ خود صدر بنے اور پنڈت دین دیال اپادھیائے جنرل سکریٹری مقرر ہوئے۔ بعد میں کشمیر آندولن کے دوران گرفتار ڈاکٹر مکھرجی کی جیل میں موت واقع ہوگئی تو ایسا لگتا تھا کہ یہ نوازائیدہ پارٹی دم توڑ دے گی تو اس وقت آرایس ایس کے سویم سیوکوں ہی کو یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ اس پارٹی کو زندہ رکھنے اوراسے بڑھانے کی بھرپور کوشش کریں۔

بھارتیہ جنتا پارٹی کی اپنی یہ ابتدائی تاریخ یہی بتاتی ہے کہ اس کا جنم آرایس ایس ہی کے توسط سے ہوا ہے۔ علاوہ ازیں خود آرایس ایس بھی اسے اپنی ہی پارٹی مانتی ہے۔ چنانچہ آرایس ایس کے اشاعتی ادارہ سروچی پرکاشن سے شائع کتاب 'آرایس ایس ایک تعارف' میں جن ۳۰ تنظیموں کو یکساں نظریاتی تنظیم بتایا گیا ہے اس میں ایک نام بھارتیہ جنتا پارٹی کا بھی ہے۔ اب اس عہدنو میں 'ہندی اور ہندوستانی' کے بجائے ملک کا ہر فرد 'ہندو' ہے کا فلسفہ اور 'جے ہند' کی جگہ 'رام رام' کہنے کی نئی روایت ایجاد کرنے پرزور وغیرہ فسطائی حرکتیں صاف بتارہی ہیں کہ ہمارا جمہوری وسیکولر ملک کدھر جارہا ہے □□

تاکہ سند رہے

دھرم سنسد پر مودی کی خاموشی ہندستانی جمہوریت کا کھلا مذاق

وزیراعظم مودی ہندستان اور دُنیا کے مسلمانوں کو کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟: سرکردہ دانشوروں کا سوال

انڈین مسلم فار سیکولر اینڈ ڈیموکریسی (آئی ایم ایس ڈی) نے ہری دوار میں ہونے والی دھرم سنسد میں ہندستانی مسلمانوں کی نسل کشی کی مبینہ طور پر اپیل کرنے کے معاملے میں وزیراعظم نریندر مودی کی خاموشی کو منگل کو گھناؤنا ناٹک اور ہندستانی جمہوریت کا کھلا مذاق قرار دیتے ہوئے ان سے پوچھا کہ وہ ہندستان اور دنیا کے مسلمان کو کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟ آئی ایم ایس ڈی نے ایک بیان میں کہا کہ وزیراعظم اجتماعی قتل کی مبینہ اپیل پر بھی خاموشی اختیار کرنے والے جمہوری دنیا کے واحد لیڈر ہیں۔ اس نے الزام لگایا کہ کھلے عام نفرت پھیلانے والی دھرم سنسد اسی ہندوتو فیکٹری کا جزوِلاینفک ہے، جس کو وقت بے وقت مودی خود ایندھن فراہم کرتے ہیں۔ ڈان میں گلوبل جینوسائڈ واچ کے سربراہ ڈاکٹر گریگری اسٹینٹن اور راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے سربراہ موہن بھاگوت کے تبصروں اور ۲۰۲۰ء میں مرکزی وزیر انوراگ ٹھاکر کے مبینہ 'گولی مارو' نعرے کو لے کر کارروائی نہ کرنے کا بھی ذکر ہے۔ اس بیان میں اداکار نصیرالدین شاہ، ڈاکیومینٹری فلم ساز آنند پٹوردھن وشمع زیدی، نغمہ نگار جاوید اختر، فلمی مصنف انجم راجابلی، صحافی عسکری زیدی، قربان علی، جاوید نقوی اور مصنف رام پنیا سمیت ۲۷۸ دانشوروں کے دستخط ہیں۔ آئی ایم ایس ڈی نے کہا کہ دھرم سنسد پر بولنے اوراس کے ارکان پر ٹھوس کارروائی کرنے کے لیے ملک وغیر ملک کے کئی لوگوں نے وزیراعظم سے مطالبہ کیا ہے، اس کے باوجود وہ خاموش ہیں اوران کی 'خاموشی بہت کچھ کہتی ہے' اور یہ 'ہندستانی جمہوریت کا کھلا مذاق ہے'۔ بیان میں گلوبل جینوسائڈ واچ کے سربراہ ڈاکٹر گریگری اسٹینٹن کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ ہندستان کے لیڈر ہونے کے ناطے وزیراعظم کا فرض تھا کہ وہ اس کی مذمت کرتے لیکن انھوں نے ایک لفظ نہیں کہا۔ بیان میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۲۰۲۰ء میں مرکزی وزیر انوراگ ٹھاکر نے دہلی میں انتخابی جلسے کے دوران مبینہ طور پر 'گولی مارو' کا نعرہ لگوایا تھا، تب بھی وزیراعظم نے کچھ نہیں کہا تھا اور اب نسل کشی کی اپیل پر بھی وہ خاموش ہیں۔ بیان میں الزام لگایا گیا ہے کہ وزیراعظم کا خاموشی توڑنے سے انکار اسی گھناؤنے ناٹک کا حصہ ہے۔ بیان میں کچھ مہینے قبل آرایس ایس کے سربراہ موہن بھاگوت کے اس تبصرے کا ذکر کیا گیا ہے کہ سبھی ہندستانیوں کا ڈی این اے یکساں ہے، اور مسلمانوں کے بغیر ہندوتو کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے، اگر کوئی ہندو کہتا ہے کہ مسلمانوں کو بھارت میں نہیں رہنا چاہیے تو وہ ہندو نہیں ہے، بیان میں مسلمانوں کی نسل کشی کی مبینہ اپیل کو لے کر بھاگوت کی خاموشی پر سوال بھی اٹھایا گیا ہے۔ اس میں پوچھا گیا ہے کہ مودی اور بھاگوت اپنی خاموشی سے ملک اور دُنیا کے مسلمانوں کو کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟

عالمی خبریں

مجھے مسلمان ہونیکی وجہ سے وزارت سے الگ کیا گیا: برطانوی رکن پارلیمنٹ

برطانیہ کی کنزرویٹو پارٹی کی ایک رکن پارلیمنٹ نصرت غنی نے دعویٰ کیا ہے کہ ان کا مسلم عقیدہ ان کے ساتھی ارکان پارلیمنٹ کے لیے بے چینی کا سبب بنا۔ برطانوی اخبار ڈیلی میل کے مطابق نصرت غنی نے یہ بات ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے 'دی ٹائمز' کو بتائی جب ان سے پوچھا گیا کہ انہیں وزارت سے کیوں ہٹایا گیا تھا۔ ۴۹ سالہ نصرت غنی نے 'دی ٹائمز' سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت انہوں نے خود کو انتہائی کمزور اور تذلیل کا شکار محسوس کیا۔ یہ ایسے ہی تھا جیسے کسی نے میرے پیٹ میں گھونسہ مارا ہو۔ ان الزامات کے بعد کنزرویٹو پارٹی کے چیف وہپ مارک سپنسر نے ٹوئٹر کے ذریعے جواب دینے کی کوشش کی اور یہ تأثر دیا کہ نصرت غنی جس شخص پر الزام لگا رہی ہیں، وہ وہی ہیں۔ مارک سپنسر نے کہا کہ انہوں نے کبھی بھی ایسے الفاظ استعمال نہیں کیے۔ واضح رہے کہ نصرت غنی کو فروری ۲۰۲۰ء میں وزیر ٹرانسپورٹ کے عہدے سے ہٹادیا گیا تھا۔ انہوں نے الزام عائد کیا ہے کہ انہیں کنزرویٹو پارٹی کے وہپ نے بتایا کہ ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے مسئلہ پیدا ہوا۔ فرانسیسی خبررساں ادارے اے ایف پی کے مطابق برطانیہ کے وزیراعظم بورس جانسن کے دفتر کا موقف ہے کہ وزیراعظم کو ان الزامات کے بارے میں علم تھا اور انہوں نے رکن پارلیمنٹ نصرت غنی کو باقاعدہ شکایت کرنے کے لیے بلایا بھی تھا۔

مقدمے سے بچنے کیلئے خود کو مردہ قرار دینے والے شخص کو برطانیہ میں جیل

برطانوی حکام نے کہا ہے کہ ریپ اور فراڈ کے کیس سے بچنے کے لیے خود کو مردہ ثابت کرنے والے امریکی شہری کو اسکاٹ لینڈ فرار ہونے سے پہلے جیل میں ڈال دیا گیا ہے۔ امریکی نیوز ایجنسی اے پی کے مطابق نکولس الاہوردیان کو نکولس روسی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے اور جمعرات کو گلاسگو میں گرفتار ہونے کے بعد ان کی ضمانت منسوخ ہو گئی تھی۔ اسکاٹ لینڈ کے حکام کے مطابق انہیں ابتدائی سماعت کے لیے دوبارہ ۱۰رفروری کو عدالت میں پیش کیا جائے گا، جبکہ مکمل سماعت ۱۷رفروری کو ہوگی۔ نکولس الاہوردیان کو پہلی مرتبہ دسمبر میں کوئین الزبتھ یونیورسٹی ہاسپٹل گلاسگو میں گرفتار کیا گیا تھا جہاں ان کا کورونا وائرس کا علاج ہورہا تھا اور انہیں علاج کے لیے ضمانت دی گئی تھی۔

بوسٹر شاٹس کے بجائے ویکسین کی سالانہ خوراک لگوانا زیادہ بہتر: فائزر

کورونا وائرس پر قابو پانے کے لیے ویکسین بنانے والی امریکی کمپنی فائزر کے سربراہ نے کہا ہے کہ کثرت سے بوسٹر شاٹس لگوانے کے بجائے ویکسین کی سالانہ خوراک لگوانا زیادہ بہتر ہے۔ خبر رساں ادارے روئٹرز کے مطابق دواساز کمپنی فائزر کے سربراہ البرٹ برلا نے ایک انٹرویو میں ایسی ویکسین کی تیاری سے متعلق امید کا اظہار کیا ہے جو سال میں ایک مرتبہ لگوانی پڑے گی۔ ان سے جب سوال کیا گیا کہ کیا بوسٹر شاٹس ہر چار یا پانچ ماہ بعد باقاعدگی سے لگوانا پڑیں گے تو البرٹ برلا نے کہا کہ یہ تو کوئی زیادہ اچھی صورتحال نہیں ہوگی لیکن مجھے امید ہے کہ ہمارے پاس ایسی ویکسین موجود ہوگی جو آپ کو سال میں ایک مرتبہ لگوانا پڑے گی۔ انہوں نے کہا کہ سال میں ایک مرتبہ ویکسین لگوانے پر لوگوں کو آمادہ کرنا زیادہ آسان ہے۔ خیال رہے کہ فائزر کی ویکسین شدید بیماری اور ہلاکتوں کے خلاف مؤثر ثابت ہوئی ہے لیکن اومی کرون کے پھیلاؤ کو روکنے میں زیادہ کارآمد نہیں رہی۔

نبی اکرمؐ کا اندازِ تعلیم و تربیت

تحریر: فضیلۃ الشیخ عبدالفتاح ابوغدہ حلمی مصریؒ، ترجمانی: مفتی محمد یحییٰ قاسمی، مدرسہ شاہی مرادآباد

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو کسی چیز کی تعلیم دینے کا ارادہ فرماتے تو موقع کی نزاکت، مخاطب کی رعایت اور مقتضی حال کی مطابقت کو مدنظر رکھتے ہوئے گفتگو کا وہ نہایت مؤثر اور دلکش اسلوب وانداز اپناتے جس سے مخاطب کو بات نہ یہ کہ صرف صاف اور بآسانی سمجھ میں آجاتی بلکہ ذہن و دماغ میں بیٹھ جاتی۔ بات بھی بڑے سلیقے کی ہوتی تھی اور بات پیش کرنے کا سلیقہ بھی خوب ہوتا تھا۔

تعلیم و تربیت کے انگنت طریقے

جس نے کتب احادیث کا گیرائی اور گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا ہوگا، اس کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کے طریقے، انگنت، مختلف اور نوع بہ نوع تھے۔ مثلاً خود سوال کرکے دوسرے سے سوال کا جواب معلوم کرتے، کبھی دوسروں کے سوال کا جواب دیتے، کبھی جواب بقدرِ سوال دیتے، کبھی جواب میں مزید باتیں بھی ہوتیں، کبھی کسی بلیغ حکمت کے پیش نظر اصل سوال کا جواب نہ دے کر دوسری بات بتلاتے، بات کبھی لکھ کر سمجھائی جاتی اور کبھی نقشے سے، کبھی بات سادہ ہوتی تو کبھی تشبیہ واستعارے سے مزین، کبھی اشارہ وکنایہ کے حسین پیرائے میں تو کبھی صاف، صریح اور دوٹوک انداز میں۔

کمال تھا کہ کبھی خود ہی سوال کرتے اور خود ہی جواب دیتے، کبھی ہنسی ہنسی میں بات کی گتھیاں سلجھادیتے تو کبھی پہیلیاں بجھانے کے انداز میں۔ کبھی اصل بات بتلانے سے پہلے لطیف تمہید باندھتے، کبھی معنویات کو محسوسات پر قیاس کرتے، کبھی بات کی علت وحکمت سے بھی آگاہ کرتے، کبھی صحابہ سے سوال بغرضِ امتحان ہوتا، کبھی سوال کرتے تو منشا یہ ہوتا کہ لوگوں کو سوال کا جواب معلوم ہوجائے، کبھی بن سوال کیے ابتداءً ہی کوئی بات بتلاتے۔

مخاطبت کی پوری رعایت

بات کرتے تو مخاطب کے مبلغ علم وعقل کا خوب خیال کرتے، چنانچہ ہر ایک سے اس کے مقام ومرتبے، عقل وعمر کے لحاظ سے بات کرتے، بچوں سے بچوں کے انداز میں، بڑوں سے ان کے شایانِ شان انداز میں، کبھی کبھار خاص کر عورتوں سے آپ کا خطاب ہوتا، آپ ان کو ان کی ضرورت کی دینی باتیں سکھلاتے۔ علاوہ ازیں دیگر بہت سے اسالیب بیان اور طرقِ گفتگو تھے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم وتربیت کے دوران اپنایا کرتے تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق کا یارا اور سہارا رہا تو ذیل کی سطروں میں احادیث کی معتبر اور مستند کتابوں سے ماخوذ ومستفاد مذکورہ اسلیب کے کچھ نمونے قارئین کی خدمت میں پیش کیے جائیں گے۔

عملی طور پر تعلیم آپ کی تعلیم کا سب سے نمایاں طریقہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوداثر انقلابی تعلیم کا سب سے نمایاں اور جلی عنصر و پہلو یہ تھا کہ آپ نے لوگوں کو بھلے کام کرنے، اچھے اخلاق و کردار، عادات و اطوار کو اپنانے کا حکم دیتے تو اوروں سے پہلے خود اُس بھلے کام کو کرتے، اچھی عادات و اطوار کو اپناتے، پھر لوگ آپ کو جیسا کرتے دیکھتے، اُسی طرح کرنے کی اپنی طرف سے کوشش کرتے۔ قرآن کریم کو آپ نے اپنی ذاتی زندگی میں اتارا اور برتا کہ اُم المومنین سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''آپ کے اخلاق و عادات قرآن کی عملی تصویر وتفسیر تھے۔'' آپ نے کسی عمل میں پہل کی تو یہ حسین عادت واداللہ کو اتنی پسند آئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسروں کے لیے قابل تقلید اُسوہ ونمونہ بنا دیا گیا۔ قرآن کریم کا اعلان ہے: ''تم سبھی کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی قدر زندگی کے ہر پہلو میں بہترین اسوہ ونمونہ ہے۔''

عملی طریقۂ تعلیم سب سے زیادہ نافع اور مفید

اس میں دورائے نہیں کہ کسی چیز کو عملی طور پر سکھلانا تعلیم کا سب سے مؤثر اور مفید طریقہ ہے، اس سے چیز بہت جلد سمجھ میں آجاتی ہے اور تا دیر ذہن و دماغ میں محفوظ رہتی ہے کیونکہ تعلیم کا یہ عملی و پریکٹیکل طریقہ انسانی مزاج وفطرت کے سب سے قریب ہے، نیز اگر کسی کو کسی چیز کی دعوت و ترغیب دینی ہو تو آپ کی زبانی باتوں کا مخاطب پر

> حضور اکرمؐ کی زوداثر انقلابی تعلیم کا سب سے نمایاں اور جلی عنصر و پہلو یہ تھا کہ آپ نے لوگوں کو بھلے کام کرنے، اچھے اخلاق و کردار، عادات و اطوار کو اپنانے کا حکم دیتے تو اوروں سے پہلے خوداُس بھلے کام کو کرتے، اچھی عادات و اطوار کو اپناتے، پھر لوگ آپ کو جیسا کرتے دیکھتے، اُسی طرح کرنے کی اپنی طرف سے کوشش کرتے۔

اتنا اثر نہ ہوگا جتنا کہ آپ کے از خود اس چیز پر عمل کرنے اور برتنے کا اثر ہوگا، کیونکہ گفتار کے غازی سے کہیں جلدی کردار کا مجاہد دل کی دنیا کو رام کرلیتا ہے۔ اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق تعلیم وتربیت میں عملی تعلیم کا طریقہ سب سے زیادہ جلی اور نمایاں طور پر نظر آئے گا۔

ایک دلچسپ واقعہ

قول سے کہیں زیادہ عمل کی تاثیر ہوتی ہے، اس کی سب سے بہتر دلیل صلح حدیبیہ کا یہ واقعہ ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ مقام حدیبیہ میں کفار اور مسلمانوں کے درمیان جو مصالحت ہوئی تھی، وہ بظاہر دیکھنے میں بہت دب کر ہوئی تھی، جس کا حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بڑا رنج اور دُکھ تھا۔ اسی اثنا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار حضراتِ صحابہ کو پکار کر کہا کہ وہ اپنے اپنے احرام کھول کر جانور ذبح کرکے حلق کرالیں اور مکہ وکعبہ کی زیارت اور ارکان کی ادائیگی کیے بغیر سبھی حضرات یہیں سے واپس ہوجائیں، لیکن ایک آدمی بھی اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے پیچ وتاب میں مبتلا ہوئے اور اسی حال میں ام المومنین سیدتنا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے خیمے میں تشریف لائے اور ان سے پوری صورتحال بتلائی تو انھوں نے مشورہ دیا کہ آپ باہر جائیں اور کسی سے کچھ نہ کہیں بلکہ خود احرام کھول کر جانور ذبح کرکے بال منڈوالیں، چنانچہ آپ نے ان کے مشورہ پر عمل کیا اور آپ کا یہ سب کام کرنا تھا کہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ کام کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے۔

سیدتنا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی کمالِ ذہانت سے یہ بات تاڑ لی تھی کہ حضرات صحابہؓ کے لیے ارکان ادا کیے بغیر واپس جانا بڑا گراں گذر رہا ہے، اس لیے حکم کی تعمیل وتکمیل نہ ہورہی ہے، اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع سے ازخود ذبح وحلق کا عمل کرلیں گے تو حضرات صحابہ ان کاموں کے کرنے پر مجبور ہوجائیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ انھوں نے سمجھا تھا۔

پہلا طریقۂ تعلیم: عملاً تعلیم

عملی شکل میں چیز کو امت کے روبرو پیش کرنا چونکہ آپؐ کی تعلیمات کا اہم بنیادی اور سب سے طریقہ تھا اور بھلا کیوں نہ ہوتا جبکہ سماوی کتابوں کے ساتھ جو دنیا میں رسولوں کو بھیجا جاتا ہے، اس کا بنیادی مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ کتاب کی تعلیمات کی عملی تصویر بن کر اپنی قوم وامت کے سامنے پیش ہوں، بنابریں 'مشت از خروارے' آپ کی اس تعلیم کے نمونے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

ناک کی ریزش کو شاخ سے خود صاف کرنا

سیّدنا حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے اور آپ کے دست مبارک میں کھجور کی ایک شاخ تھی، آپ نے دیکھا کہ مسجد کے قبلے والے حصے پر ناک کی ریزش لگی ہوئی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس آگے بڑھے اور کھجور کی شاخ سے ناک کی ریزش کو رگڑ کر صاف کردیا، پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور تین بار یہ جملہ ارشاد فرمایا: ''کیا تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے اپنی نظر عنایت پھیرلیں۔'' ہم تو آپؐ کی زبانِ مبارک سے یہ جملہ سن کر دم بخود رہ گئے اور ہم پر سکتہ سا چھا گیا۔ تیسری بار ہم نے بڑی ہمت باندھ کر کہا کہ نہیں یارسول اللہ! ہم میں سے کوئی یہ نہیں چاہتا کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اپنی نظر کرم اور نگاہِ عنایت پھیرلیں۔

نماز میں بے اختیار تھوک نکل آئے تو نمازی کیا کرے؟

پھر آپؐ نے ہم حاضرین مسجد کو یہ ہدایت دی کہ اگر کسی کو دورانِ نماز تھوکنے کی ضرورت پیش ہی آجائے تو دائیں اور سامنے نہ تھوکے بلکہ اپنے بائیں پیر کے نیچے تھوک دے، اور اگر یکا یک تھوک باہر نکل آئے تو رومال وغیرہ سے منہ اور تھوک کر صاف کرکے تہہ کرکے اپنے پاس رکھ لے اور آپ نے اس موقع سے خود کے کپڑے کو تہہ کرکے بتلایا۔

نوٹ: مسجد میں تھوکنے کی بات اس وقت تھی جبکہ مسجد کا فرش کچا، مٹی، ریت اور کنکری کا ہوتا تھا، جیسا کہ اس زمانہ میں مسجد نبوی کا تھا۔ رہی بات اس زمانہ کی، جس زمانہ میں فرشِ مسجد پکا اور پلستر ہوتا ہے تو اب فرشِ مسجد پر تھوکا نہ جائے گا بلکہ رومال وغیرہ میں تھوک اور ناک کی ریزش وغیرہ کو صاف کرکے رومال کو تہہ کرکے اپنے پاس نمازی رکھ لے گا۔

ناک کی ریزش کی جگہ خود خوشبو لگانا

پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ 'عبیر' ایک خوشبو کا نام ہے، لاؤ، ایک نوجوان بھاگا بھاگا اپنے گھر گیا اور ہاتھ کی ہتھیلی پر 'خلوق' نامی خوشبو لے کر آیا، آپ نے خلوق کو لے کر شاخ کے آخری سرے پر لگایا اور پھر شاخ کے سہارے خود ہی اس جگہ پر وہ خوشبو لگادی جہاں کچھ دیر قبل ناک کی ریزش لگی تھی۔

عملاً نماز کا وقت بتلانا

حضرت سلیمان بن بریدہ اپنے والد حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ میرے والد نے کہا کہ ایک مرتبہ کی بات ہے کہ ایک آدمی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے اوقات دریافت کیے تو آپ نے سائل سے فرمایا کہ تم دو دن ہمارے ساتھ مسجد نبوی میں نماز پڑھو، آپ نے پہلے دن ہر نماز کو اس کے اوّل وقت میں پڑھائی اور دوسرے دن بالکل آخری وقت میں پڑھائی، پھر آپ نے فرمایا کہ وہ سائل کہاں ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر سائل حاضر خدمت ہوا، آپ نے فرمایا کہ (باقی صفحہ ۱۴ پر)

بچّوں کا گوشہ
بچوں کی صحیح دینی و اخلاقی تربیت اور اصلاح نہایت ضروری (۲)

اس کے بعد بچہ جب پندرہویں سال میں داخل ہوجائے تو اسے اپنا نائب بنا لینا چاہیے اور کاموں میں اس سے مشورہ لینا چاہیے اور اس پر اعتماد کرتے ہوئے اس کو مختلف امور سپرد کردیں۔

بچے مستقبل میں قوم کے معمار ہوتے ہیں، اگر اُنھیں صحیح تربیت دی جائے تو اس کا مطلب ہے ایک اچھے اور مضبوط معاشرے کے لیے ایک صحیح بنیاد ڈال دی گئی۔ بچوں کی اچھی تربیت سے ایک مثالی معاشرہ وجود میں آتا ہے؛ ماحول کا بچوں پر اثر ہوتا ہے، بچوں کی تربیت میں اہم عنصر معاشرہ بھی ہے۔ بچے کسی بھی معاشرے کی بنیاد ہوتے ہیں، ان کے فساد و بگاڑ پر معاشرے کا فساد اور بگاڑ موقوف ہوتا ہے۔ ہر دور میں زندہ جاوید قوموں نے اپنی آئندہ نسلوں کی تربیت، پرورش اور نشو ونما کو اپنی زندگی میں اہم مانا ہے۔ جب بھی کسی قوم نے اپنی نئی نسل کی تربیت سے غفلت، بے توجہی اور لاپرواہی برتی ہے انجام اس کا اچھا نہیں ہوا ہے۔ بچپن میں ہی اگر بچہ کی صحیح دینی واخلاقی تربیت اور اصلاح کی جائے تو بڑے ہونے کے بعد بھی وہ ان پر عمل پیرا رہے گا۔ اس کے برخلاف اگر درست طریقہ سے ان کی تربیت نہ کی گئی تو بڑے ہونے کے بعد ان سے بھلائی کی زیادہ توقع نہیں کی جاسکتی، اولاد کی اچھی اور دینی تربیت دنیا میں والدین کے لیے نیک نامی کا باعث اور آخرت میں کامیابی کا سبب ہے؛ جب کہ اچھی اور دینی تربیت سے محروم اولاد والدین کی نافرمان اور دنیا میں ان کے لئے وبالِ جان ہوگی اور آخرت میں بھی رسوائی کا سبب بنے گی۔ تربیت کے طریقے، احوال ومواقع نفسیات وجذبات، خیالات اور حالات کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں، جتنے بچے زیر تربیت ہیں، ہر ایک کے مزاج وعمر کے لحاظ سے تربیت کرنا لازم ہے، سب کے لئے ایک ہی طریقہ نہ اپنایا جائے۔ بچوں کی تربیت کے دوران موجودہ مشکل انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا تک ان کی رسائی ہے، آپ انہیں اس سے روک ہی نہیں سکتے، ہاں انہیں اچھے اور برے کی تمیز اور اس کا ایک پیمانہ دے سکتے ہیں، ان کے سامنے واضح کردینا ضروری ہے کہ اسلام کی تعلیم، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام ہر معاملہ میں قطعی ہیں۔ اس کے علاوہ بچوں کو مصائب و پریشانیوں پر صبر کرنا بھی سکھایا جائے، کہ یہ سب خدا کی طرف سے ہیں، اور ہر مصیبت کے بعد آسانی ہوتی ہے، اگر کوئی پریشانی ہے تو یہ رب کی طرف سے آزمائش ہے، وہ تمہیں خوف، بھوک، مال کی کمی، عزیز واقارب کی وفات اور آمدنی وغیرہ میں نقصان سے آزماتا ہے، اور ان میں صبر کرنے والوں کے لئے انجام کار خوشخبری ہے جو اس بات کا پختہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کی جان ومال اللہ کی امانت ہیں اور وہ اس کے ہی پاس پہونچ جانے والی ہیں۔ اس کے علاوہ بچے کو تکبر وفخریہ انداز میں بات کرنے اور چلنے، اٹھنے بیٹھنے میں مغرور رویہ اپنانے سے باز رہنے کی تلقین کی جائے، کیونکہ بڑائی خدا کے سوا کسی کی شان نہیں ہے اور نہ کسی کو زیب دیتی ہے۔ (جاری)

گوشۂ خواتین
مسلم لڑکیوں کی دینی تربیت کا فقدان مضر اثرات اور حل (۲)

یہ سوال اہم ہے؟ کیا صرف غیر مسلم تنظیموں کی کوششوں سے یہ سب کچھ ہورہا ہے، کیا یہ سب کچھ دانستہ ہورہا ہے؟ میرا خیال ہے کہ مطلقاً ایسا نہیں ہے، اور نہ ہی یہ چند دنوں یا چند سالوں کی محنت کا نتیجہ ہے بلکہ یہ ہماری دیرپا غفلت اور حالات کی نزاکت سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ اس میں ہماری بچیاں جتنی قصوروار ہیں اسی قدر ہم خود بھی مجرم ہیں۔ اس مسئلے کا آغاز درحقیقت تعلیم گاہوں سے ہوتا ہے، بڑی بڑی مسلم آبادی میں بھی مسلم مینجمنٹ تعلیمی ادارے پر توجہ نہیں دی گئی اور اگر تعلیمی ادارے قائم بھی ہوئے تو شوق مغرب نے ہمیں کامریٹ اسکولوں سے کم پر قناعت کرنے نہ دیا، ہم نے اپنی بچیوں کو ساز وسارنگ پر تھرکتے ہوئے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا اور فخر کا مظاہرہ کیا، اپنے دوستوں اور رشتے داروں کے درمیان اس فخر کے لیے اپنی بچی کو ناچنے کی ترغیب دی۔ معاملہ یہیں نہیں رُکا، غیر مسلم یا عیسائی اسکولوں میں ہماری بچی پڑھنے گئی اور وہاں کی تعلیم وتربیت نے اس کی پوری زندگی کو متاثر کیا اور ہمارا طرزِ عمل یہ رہا کہ بچی کو اپنے ماحول میں ڈھالنے کے بجائے ہم خود اس کی تعلیم میں ڈھل گئے اور اب نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔

اس پورے قضیہ کو آسان انداز میں اس طرح سمجھئے کہ ہماری بچی جب پڑھنے کے قابل ہوئی تو کامریٹ اسکول یا غیر مسلموں کے اسکولوں میں ہم نے اس کا داخلہ کرادیا، پانچ سال کی عمر میں اس کے جو دوست اور کلاس ساتھی تھے، ان کے نام ہیں: شیام، دیال، رام پرساد، ونود، گنیش وغیرہ انہی ناموں سے ہماری بچی کی دوستی ہوئی، انہی کے ساتھ اس نے کھیلنا سیکھا، کلاس میں جب اس کو مدد کی ضرورت پیش آئی تو اس نے انہی سے مدد طلب کی، ان اسکولوں کے نصابِ تعلیم کے ذریعہ لاشعوری طور پر جس تہذیب سے ان کو قریب کیا گیا وہ غیر اسلامی تہذیب تھی، جس ماحول سے اس کو آشنا کیا وہ دین بیزاری کا ماحول تھا، جس پگڈنڈی پر اس کو چلنا سیکھایا گیا وہ بے حیائی اور بے پردگی کا راستہ تھا، اسکول کی تعلیم کی تکمیل کے ساتھ ہی وہ شعور کی عمر کو پہنچ گئی، دوستی، انسیت اور محبت جو انسان کی فطرت میں ودیعت ہے اور انسان جن کے ساتھ اور جن کے درمیان رہتا ہے ان سے غیر فطری طور پر محبت کرنے لگتا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری بچیاں بھی اسی گنیش کی محبت میں گرفتار ہوگئیں۔ پھر اس کی تعلیم اسکول سے کالج نہ پہنچی اور انسیت والفت کا یہ رشتہ دراز ہوکر محبت ومؤدت میں تبدیل ہوگیا اور اس سے آگے تعلیم کے بعد یہ دونوں ملازمت میں بھی ساتھ رہے اور اس طرح یہ رشتہ مضبوط ہوتا رہا اور بالآخر دونوں رشتہ ازدواج میں بندھ گئے، کبھی ایسا ہوا کہ لڑکی کی محبت غالب ہوئی اور غیر مسلم لڑکے نے اسلام قبول کرلیا اور کبھی ایسا کہ لڑکی نے اسلام کی چوکھٹ کو پھلانگ کر ہندوریت رواج کے مطابق شادی کرلی۔ یہ سب کچھ ایک طویل زمانے سے ہورہا ہے، اب اس میں ہندو انتہا پسند تنظیموں کی طرف سے شدت آئی ہے اور منظّم انداز پر مسلم لڑکیوں کو ٹارگیٹ کیا جارہا ہے اور اس میں ہمارا یہ تعلیمی نظام سب سے زیادہ معاون بن رہا ہے۔ (جاری)

صفحہ تحفظ ختم نبوت

مرزا قادیانی کی طرف سے توہینِ انبیاء وصحابہؓ کا ارتکاب (۱)

تحریر: مولانا قاری محمد عثمان صاحبؒ

ہر عقلمند انسان جانتا ہے کہ انبیائے کرام خداوند قدوس کے برگزیدہ بندے ہوتے ہیں جن کی ظاہری وباطنی تربیت باری تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے، اس لیے وہ اخلاقیات کے بلند ترین مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ وہ عام انسانوں کے ساتھ بھی فحش گوئی وبدزبانی کا شیوہ نہیں اپناتے چہ جائیکہ انبیاء علیہم السلام کی مقدس جماعت کے کسی فرد کے بارے میں وہ کوئی توہین آمیز جملہ زبان سے نکالیں۔ کسی نبی کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ صلحا وانبیا کے بارے میں بدزبانی کرے، لہٰذا مسیلمہ پنجاب مدعی نبوت کاذبہ مرزا غلام احمد قادیانی نے انبیا وصلحا کی شان میں جو گستاخیاں کی ہیں وہ کذاب ودجال ہونے کی روشن دلیلیں ہیں۔ مرزا نے خود لکھا ہے:

(الف) ”وہ بڑا ہی خبیث اور ملعون اور بدذات ہے جو خدا کے برگزیدہ ومقدس لوگوں کو

لعین قادیان نے سب سے زیادہ توہین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کی ہے اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے ایک دعویٰ اپنے بارے میں یہ کر رکھا ہے کہ احادیث شریفہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد کی جو اطلاعات دی گئی ہیں ان کا مصداق میں ہی ہوں۔

گالیاں دے۔“ (مرزا کا آخری لیکچر لاہور، البلاغ المبین، ص ۱۹)

(ب) ”جاہلوں کا ہمیشہ سے یہی اصول ہوتا ہے کہ وہ اپنی بزرگی کی پٹری جمنا اسی میں دیکھتے ہیں کہ بزرگوں کی خواہ مخواہ تحقیر کریں۔“ (ست بچن مصنفہ مرزا قادیانی در خزائن: ۱۰/۱۲)

لعین قادیان نے سب سے زیادہ توہین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کی ہے اور غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے ایک دعویٰ اپنے بارے میں یہ کر رکھا ہے کہ احادیث شریفہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد کی جو اطلاعات دی گئی ہیں ان کا مصداق میں ہی ہوں کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو انتقال فرما چکے ہیں، وہ دوبارہ دنیا میں نہیں آئیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بعض خاص مشابہتوں اور مناسبتوں کی وجہ سے مجھے ہی مجازاً عیسیٰ اور مسیح کہا گیا ہے، اس طرح وہ اپنے معتقدوں کو یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ جس مسیح کا انتظار تھا وہ میں ہوں، اور سیرت وکردار کے لحاظ سے مسیح ناصری کے مقابلہ میں بلند ہوں، لہٰذا افضل کو چھوڑ کر ادنیٰ کا انتظار کرنا عقل کے خلاف ہے، چنانچہ اس کا مشہور شعر ہے:

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

(دافع البلاء، ص ۲۴۰، در خزائن، ج ۱۸)

مرزا کا ایک فتویٰ

”اسلام میں کسی نبی کی تحقیر کفر ہے۔“ (ضمیمہ چشمہ معرفت، ص ۳۹۰، در خزائن، ج ۲۳)

اب ہم ثابت کرتے ہیں کہ مرزا قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین وتحقیر کی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین

(۱) ”حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تین پیش گوئیاں صاف طور پر جھوٹی نکلیں اور آج کون زمین پر ہے جو اس عقدہ کو حل کر سکے۔“ (اعجازِ احمدی در خزائن، ص ۱۲۱، ج ۱۹)

(۲) ”عیسیٰ علیہ السلام شراب پیا کرتے تھے شاید کسی بیماری کی وجہ سے یا پرانی عادت کی وجہ سے۔“ (کشتی نوح حاشیہ خزائن، ص ۷۱، ج ۱۹)

(۳) ”مسیح کا چال چلن آپ کے نزدیک کیا تھا، ایک کھاؤ پیو، شرابی، نہ زاہد، نہ عابد، نہ حق کا پرستار، متکبر، خود بین، خدائی کا دعویٰ کرنے والا۔“ (مکتوب احمدیہ: ۳/۲۳، نور القرآن در خزائن: ۹/۳۸۷)

(۴) ”حضرت عیسیٰ نے خود اخلاقی تعلیم پر عمل نہیں کیا۔“ (چشمہ مسیحی در روحانی خزائن: ۲۰/۳۴۶)

(۵) ”عیسائیوں نے بہت سے آپ (عیسیٰ علیہ السلام) کے معجزات لکھے ہیں، مگر حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہیں ہوا۔“ (حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم در روحانی خزائن، ۱۱/۲۹۰)

یہ صاف طور پر قرآن کریم سے معارضہ ہے، قرآن کہتا ہے: ”ہم نے عیسیٰ بن مریم کو بہت سے بین معجزے دیئے۔“ (البقرہ آیت ۸۷)

(۶) ”مسیح کے معجزات اور پیشین گوئیوں پر جس قدر اعتراضات اور شکوک پیدا ہوتے ہیں، میں نہیں سمجھ سکتا کہ کسی اور نبی کے خوارق یا پیش خبریوں میں کبھی ایسے شبہات پیدا ہوئے ہوں۔ کیا تالاب کا قصہ مسیحی معجزات کی رونق دور نہیں کرتا۔“ (ازالہ اوہام در خزائن: ۳/۱۰۶)

(۷) ”جو اس یہودی فاضل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئیوں پر اعتراض کیے ہیں وہ نہایت سخت اعتراض ہیں، بلکہ وہ ایسے سخت ہیں کہ ان کا تو ہمیں بھی جواب نہیں آتا اور اگر مولوی ثناء اللہ یا مولوی محمد حسین یا کوئی پادری صاحبوں کے ان اعتراضات کا جواب دے سکے تو ہم ایک سو روپیہ نقد بطور انعام اس کے حوالے کریں گے۔“ (اعجاز احمدی در خزائن: ۱۹/۱۱۱)

(۹) ”ایک دفعہ حضرت عیسیٰ زمین پر آئے تھے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ کئی کروڑ مشرک دنیا میں ہوگئے۔ (نادان لوگوں نے انھیں خدا بنالیا) دوبارہ آکر وہ دنیا میں کیا بتائیں گے کہ لوگ ان کے آنے کے خواہشمند ہیں۔“ (اخبار بدر، ۹ر مئی ۱۹۰۷ء، ص ۵)

(۹) ایک طرف تو مرزائے لعین اعتراف کرتا ہے کہ انبیاء کا خاندان ہمیشہ پاک ہوتا ہے، دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں اس کی دریدہ دہنی دیکھئے:

”آپ (یسوع) کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے، تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔ مگر شاید یہ بھی خدائی کے لیے ایک شرط ہوگی۔ آپ کا کنجریوں سے میلان اور صحبت بھی شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدی مناسبت درمیان ہے ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر ناپاک ہاتھ لگادے اور زناکاری کی کمائی کا پلید عطر اس کے سر پر ملے اور اپنے بالوں کو اس کے پیروں پر ملے۔ سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چلن کا آدمی ہوسکتا ہے۔“ (حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم در خزائن: ۱۱/۲۹۱)

(۱۰) اور اس ظالم نے اپنے خیال فاسد کی تائید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کا مضمون آیت کریمہ سے نکالنے کی جسارت بھی کی ہے، سنئے:

”مسیح کی راستبازی اپنے زمانے میں دوسرے راست بازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوئی بلکہ یحییٰ نبی کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہیں سنا گیا کہ کسی فاحشہ عورت نے آکر اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا یا ہاتھوں اور اپنے سر کے بالوں سے اس کے جسم کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی، اسی وجہ سے خدا نے قرآن میں یحییٰ کا نام ’حصور‘ (اپنے نفس کو عورتوں سے باز رکھنے والا) رکھا، مگر مسیح کا یہ نام نہ رکھا کیونکہ ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔“ (حاشیہ دافع البلاء خزائن، ۱۸/۲۰)

”ایک دفعہ حضرت عیسیٰ زمین پر آئے تھے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ کئی کروڑ مشرک دنیا میں ہوگئے۔ (نادان لوگوں نے انھیں خدا بنالیا) دوبارہ آکر وہ دنیا میں کیا بتائیں گے کہ لوگ ان کے آنے کے خواہشمند ہیں۔“ (اخبار بدر، ۹ر مئی ۱۹۰۷ء، ص ۵)

مطلب صاف ہے کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ شریب وشباب سے لطف اندوز ہوتے تھے۔

(۱۱) ”مجھے وہ قوتیں عطا کی گئیں جو تمام دنیا کی اصلاح کے لیے ضروری تھیں، تو پھر اس امر میں کیا شک ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو وہ فطری طاقتیں نہیں دی گئیں جو مجھے دی گئیں، کیونکہ وہ ایک خاص قوم کے لیے آئے تھے اور اگر وہ میری جگہ ہوتے تو اپنی اس فطرت کی وجہ سے وہ کام انجام نہ دے سکتے جو خدا کی عنایت نے مجھے انجام دینے کی قوت دی۔“ (حقیقۃ الوحی خزائن: ۲۲/۱۵۷)

اس گستاخ اور کمینہ شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو گندی اور اہانت آمیز باتیں اپنی تالیفات میں درج کی ہیں ان کے چند نمونے بہت اختصار کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔ ان گندی گالیوں کی بنا پر جب مرزا قادیانی پر اعتراض ہوئے تو تاویلات رکیکہ شروع کر دیں۔ (جاری)

روحِ دو عالم

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ

نام ہے ان کا قریہ قریہ، ذکر ہے ان کا عالم عالم — یاد میں ان کی چشم ہے پرنم، صلی اللہ علیہ وسلم
دکھیا دلوں کا درماں وہ ہے، ہم جیسوں کا شافع وہ ہے — بعد خدا کے وہ ہیں ارحم، صلی اللہ علیہ وسلم
سب نبیوں میں افضل وہ ہیں، کیا رتبہ ہے اللہ اللہ — سب نبیوں میں وہ ہیں خاتم، صلی اللہ علیہ وسلم
فرش پہ بیٹھے عرش کی باتیں، رب کی ان پر خاص ہے رحمت — رحمت عالم، راحت عالم، صلی اللہ علیہ وسلم
حسن کا پیکر میرا پیمبرؐ، ساری دنیا کا وہ رہبر — جلوے ان کے پیہم پیہم، صلی اللہ علیہ وسلم
نور ہدایت کا وہ مخزن، صاحبِ عرفاں، حامل قرآں — خلق میں یکتا، فخر دوعالم، صلی اللہ علیہ وسلم
زلف معطر، وجہ منور، دوش پہ ان کے کملی کالی — میرا وہ دلبر، جان دوعالم، صلی اللہ علیہ وسلم
ساری خلق میں سندر سندر، رب نے ان کو خوب بنایا — حسن مجسم، حسن دوعالم، صلی اللہ علیہ وسلم
مظلوموں کا ماویٰ وملجا، کمزوروں کا حامی وناصر — سب کا محسن، محسن اعظم، صلی اللہ علیہ وسلم
رشد وہدایت ان سے ملی ہے، ان کے در سے سب کو ملی ہے — مرکز ایماں، ہادی عالم، صلی اللہ علیہ وسلم
شہر مدینہ میں مرجاؤں، ان کی غلامی میں مرجاؤں — میری سعادت وہ ہیں ہمدم، صلی اللہ علیہ وسلم

ان کا رشیدی فرقت غم میں، ڈوب رہا ہے، ڈوب رہا ہے
پھر سے بلالیں روح دو عالم، صلی اللہ علیہ وسلم

جمعیۃ علماء ہند کے نائب صدر حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی ظفر بجنوریؒ کی
حیات وخدمات پر مشتمل
ہفت روزہ الجمعیۃ دہلی کی
خصوصی اشاعت
مولانا ریاست علی ظفر بجنوریؒ نمبر
اپنی تمام تر خوبیوں، بہترین مضامین، شاندار طباعت اور دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ منظر عام پر آچکا ہے۔
صفحات ۱۹۶ — سائز: ۲۳×۳۶/۸ — قیمت 150/-
رابطہ: ہفت روزہ الجمعیۃ، مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
موبائل: 09868676489

ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی کی
خصوصی پیشکش
تحفظ ختم نبوت نمبر
انشاء اللہ العزیز انتہائی آب وتاب کے ساتھ بہت جلد منظر عام پر آرہا ہے
مکمل تفصیلات آئندہ ملاحظہ فرمائیں
رابطہ: ہفت روزہ الجمعیۃ، مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
موبائل: 09868676489 — ای میل: aljamiatweekly@gmail.com

اتر پردیش، اتراکھنڈ، پنجاب، منی پور اور گوا کے اسمبلی انتخابات
حکمراں اور اپوزیشن پارٹیوں میں کانٹے کی ٹکر

رپورٹ: **ذکریا سلطان**، ریاض

الیکشن کمیشن آف انڈیا نے پانچ ریاستوں اتر پردیش، پنجاب، اتراکھنڈ، منی پور اور گوا کے اسمبلی انتخابات کا شیڈول جاری کردیا ہے۔ یہ انتخابات ۱۰ر فروری ۲۰۲۲ء سے ۷ر مارچ کے درمیان جملہ سات مراحل میں منعقد ہوں گے اور ۱۰ر مارچ کو نتائج کا اعلان کیا جائے گا۔ ان تمام ریاستوں میں سب سے زیادہ نشستوں والی اتر پردیش اسمبلی ہے جس کی بہت زیادہ اہمیت کئی وجوہ کی بنیاد پر ہے جس میں سے ایک تو یہ ہے کہ نشستوں کے اعتبار سے یہ دیگر چار ریاستوں سے زیادہ نشستیں رکھنے والی ریاست ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ ہندستان کی سب سے بڑی ریاستی اسمبلی ہے، صرف اتر پردیش کی نشستیں ۴۰۳ ہیں جبکہ دوسری متذکرہ دیگر چار ریاستوں کی جملہ نشستیں ۲۸۷ ہیں۔ اس طرح سب ملا کر کل ۶۹۰ر اسمبلی نشستوں کے انتخابات مذکورہ بالا مدت میں ہوں گے۔ اتر پردیش ۴۰۳، پنجاب ۱۱۷، اتراکھنڈ ۷۰، منی پور ۶۰، اور گوا ۴۰۔

سدھو کی صدارت اور امریندر سنگھ کی بغاوت جیسی حالیہ عرصہ میں ہونے والی سیاسی تبدیلیوں اور وزیر اعظم کے متنازعہ دورہ کے پیش نظر اس مرتبہ پنجاب کے انتخابات بھی قابل دید اور بڑے دلچسپ ہوں گے۔ مذکورہ بالا ریاستوں میں سے اتر پردیش میں لاقانونیت اس وقت عروج پر ہے، امن وامان نام کی کوئی چیز وہاں نہیں ہے۔ شہروں، سڑکوں اور یونیورسٹیوں کے نام بدلنا اور اس پر گندی سیاست کرکے ملک میں نفرت کا ماحول پیدا کرنا، ایک خاص طبقہ کی بار بار دل آزاری کرنا روز کا معمول بن گیا ہے اور یہ سب کچھ وزیر اعلیٰ یوگی اور بی جے پی کے قائدین کی نگرانی میں اور ان کے اشاروں پر ہورہا ہے۔ اتر پردیش جرائم اور نفرت کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اپنے عہدہ کے مقام و مرتبہ کا خیال کیے بغیر وزیر اعلیٰ یوگی آدتیہ ناتھ ایسی ایسی اوچھی حرکتیں کررہے ہیں جس سے ہر حساس اور ذمہ دار شہری کا سر شرم سے جھک گیا ہے۔ ممتا بنرجی کے بنگال جیسی ریاست میں ہونے والے ترقیاتی کام کو اپنی ریاست کے کھاتے میں ڈالنے کی مذموم حرکت کا پردہ بھی فاش ہوچکا ہے۔ کسانوں کے ساتھ وہاں کس قسم کا سلوک ہوا اس سے سبھی واقف ہیں، ان پر ظلم ڈھایا گیا، لاٹھیاں برسائی گئیں، گولیاں چلائی گئیں اور گاڑیاں چڑھائی گئیں مگر وزیر اعظم مودی ٹس سے مس نہ ہوئے اور نہ کسی قسم کے افسوس کا اظہار کیا۔ وزیر اعلیٰ یوگی بھی کسان کے قاتلوں کی خاموشی سے پشت پناہی کرتے رہے یہاں تک کہ سپریم کورٹ کو مداخلت کرنی پڑی تب مجرموں کے خلاف کارروائی شروع ہوئی۔ مذہب کا خوب استعمال اور استحصال ہورہا ہے۔ مسجد، مندر، ہندو مسلم کے نام پر سیاست کی جارہی ہے۔ ووٹ حاصل کرنے کے لیے کسی بھی نچلی سطح تک جانے کو آج کا سیاست داں تیار ہے۔ مسلم سیاسی جماعتیں بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں، اس میں اور دوسروں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کسی سیاستداں کا یہ کہنا مضحکہ خیز لگتا ہے کہ میں مسلمانوں کی قیادت اور صدارت کا طلب گار نہیں ہوں، میں تو صرف انھیں ان کا جمہوری اور دستوری حق دلوانا چاہتا ہوں، اس جملہ سے عیاری ٹپکتی ہے اور مکر کی بو آتی ہے۔ موقع پرست قائدین کے غلط فیصلوں سے دوغلے پن سے ملک کو اور سیکولر جماعتوں کو بھاری نقصان ہوا ہے۔ ان کی مکاری اور مفاد پرستی سے کئی ریاستوں میں ووٹ تقسیم ہورہے ہیں اور بی جے پی مضبوط ہورہی ہے۔

بہر حال ان سب باتوں کا جواب عوام صرف ووٹ سے ہی دے سکتے ہیں۔ اس وقت یوگی کی بی جے پی سرکار سے کسان اور عام ہندو مسلم سب ہی رائے دہندگان بیزار اور بدظن ہیں۔ قوی امکان ہے کہ بی جے پی آنے والے یوپی کے اسمبلی انتخابات میں اقتدار سے محروم ہوجائے بشرطیکہ مسلم ووٹ تقسیم نہ ہوں۔ بی جے پی کو فائدہ پہنچانے کے لیے پہلے کانگریس کے خلاف مہم چلائی گئی، اب کچھ عرصہ سے یہ منظّم ڈھنڈورا پیٹا جارہا ہے کہ سیکولر جماعتوں سے مسلمانوں کو کیا حاصل ہوا۔ یہ افواہ بڑی چالاکی سے مذہب کے نام پر پھیلائی جارہی ہے اور مسلم جماعت کو ووٹ دینے کی ترغیب دی جارہی ہے جس سے صرف ووٹ کٹنے اور بٹنے کا امکان ہے اس کا یقینی طور پر فائدہ بی جے پی کو ہوگا۔ ہمیشہ درپردہ کسی نہ کسی پارٹی سے ہاتھ ملا کر مسلمانوں کو پستی و پسماندگی میں ڈال کر خود عیش وعشرت کی زندگی گزارنے والے قائدین نئے نئے حربے استعمال کررہے ہیں تاکہ مسلمان مذہب کے نام پر جذباتی ہوکر ان کی جھولی میں ووٹ ڈال دیں اور بی جے پی کا بیڑا پار ہوجائے۔ اس کام کے لیے موقع پرست اور متنازعہ مولویوں کو استعمال کیا جارہا ہے۔ بے تحاشہ دولت کا استعمال کرکے سیاسی کھیل کھیلا جارہا ہے۔ اڈانی اور امبانی جیسے سرمایہ داروں اور صنعت کاروں کے مفادات اور ان کی دولت میں فراوانی پیدا کرنے کے لیے غریبوں اور کسانوں کا خون چوسا جارہا ہے۔ ان حالات میں مسلمانوں کو چاہیے کہ بی جے پی کو شکست دینے اور اقتدار سے بے دخل کرنے کے لیے سوچ سمجھ کر بہت احتیاط سے فیصلہ کریں اور ٹھنڈے دل و دماغ سے یہ سوچیں کہ کیا مسلمان سیکولر جماعتوں کی اور سیکولر ذہن رکھنے والے ہندو بھائیوں کی مدد کے بغیر کسی بھی ریاست میں اپنی حکومت بنا سکتے ہیں یا اقتدار میں آسکتے ہیں؟ اب تک ہندستان میں بی جے پی الیکن اس لیے نہیں جیت رہی تھی کہ وہ غیر معمولی اور اچھے کام انجام دے رہی تھی بلکہ اس کی وجہ اپوزیشن سیکولر جماعتوں کا کمزور ہونا تھا۔ گزشتہ کچھ عرصہ میں تو اپوزیشن جماعتوں کا تقریباً وجود ہی مٹ کر رہ گیا تھا جس کا پورا پورا فائدہ بی جے پی اٹھاتی رہی۔ کانگریس کا داخلی انتشار واختلاف بھی بی جے پی کو تقویت پہنچا رہا تھا مگر اب کچھ بہتری نظر آرہی ہے۔ راہل اور پرینکا گاندھی فسطائیت کے خلاف مسلسل جدوجہد کررہے ہیں۔ بی جے پی کو مضبوط کرنے میں ان جماعتوں اور قائدین کا بھی حصہ رہا ہے جنھوں نے اپنے آقاؤں کے اشارہ پر عوام کو کانگریس کے خلاف مسلسل ورغلایا اور ملک گیر سطح پر کانگریس مکت بھارت کے نعرے لگائے۔ اس طرح انھوں نے بی جے پی کی مدد کی اور کانگریس کو بدنام اور کمزور کیا۔ دوسری جانب گودی میڈیا نے بھی ملک کے نازک حالات کی پروا کیے بغیر ملک وقوم کے مفادات پر سودا کرکے فرقہ پرستی، عصبیت اور مالی مفادات کو ترجیح دی۔ ملکی میڈیا مسلسل آمرانہ نظام کی تائید وحمایت کرتا رہا۔ سچ کو دباتا اور چھپاتا رہا۔ جھوٹ کو پھیلاتا رہا، اپنے ہر ڈیبیٹ میں اس قائد کو مدعو کرتا رہا جس سے بی جے پی کا ہندو ووٹ بینک مضبوط ہو۔ میڈیا کے اس طرزِ عمل سے ملک کو ناقابل تلافی نقصان ہوا اور سیکولر جماعتیں کمزور ہوئیں۔ دستور وقانون کی بھی اس عرصہ میں مختلف موقعوں پر دھجیاں اڑائی گئیں اور عدلیہ کے بشمول ملک کی بڑی بڑی اہم ایجنسیوں کو بھی اہل اقتدار نے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا۔ ان پر دباؤ بنایا اور بڑھایا گیا۔ ججوں اور اعلیٰ عہدیداروں کو مناصب کا لالچ دیا گیا۔ فرقہ پرستی کا زہر گھولا گیا۔ بابائے قوم کی تضحیک و توہین کی گئی اور انگریزوں کے غلاموں کو ملک کے غداروں کو ہیرو کے طور پر پیش کیا گیا۔ تاریخ کو جھٹلایا اور بدلا گیا۔ مجاہدین آزادی کی قربانیوں کی قدر نہ کرکے ان سے ناانصافی کی گئی۔ سابق وزرائے اعظم پر من گھڑت الزامات لگائے گئے اور اپنی تمام تر غلطیوں اور گناہوں کو ان کی سابق حکومتوں کے سر پر ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ ان کے خلاف زبردست پروپیگنڈہ کیا گیا۔ بعض مخالف کانگریس جماعتوں نے بی جے پی سے پس پردہ ہاتھ ملا لیا۔ عوامی سطح پر تو بی جے پی اور مودی کو برا بھلا کہتے رہے مگر اندرونی طور پر بی جے پی کی مدد کرکے اسے مستحکم کیا گیا جس کا نتیجہ ہم آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ بی جے پی ملک کو تقریباً نگل چکی ہے۔ بی جے پی کا ظلم پچھلے سات سال کے عرصہ میں خوب پروان چڑھا۔ ہر طرف بدامنی، تباہی، غربت، بے روزگاری اور افلاس چھا گیا۔ مدت تک کسان سڑکوں پر بے یارومددگار پڑے رہے۔ ان پر مودی نے ظلم کے پہاڑ توڑے۔ ہندو مسلم سب ہی کو بی جے پی سرکار نے تکالیف میں مبتلا کیا۔ پٹرول کی قیمتیں آسمان کو چھو گئیں۔ پکوان گیس کا استعمال عوام کی قوتِ خرید سے باہر ہوگیا جس کی وجہ سے اب بلا لحاظ مذہب و ملت عوام کے سب ہی طبقات بی جے پی سے بیزار اور بدظن ہیں۔ اب تو وزیر اعظم مودی، ستیہ پال ملک، امت شاہ اور یوگی جیسے بی جے پی کے اعلیٰ قائدین کے اختلافات کی خبریں بھی آرہی ہیں یہاں تک کہ امت شاہ نے ستیہ پال ملک سے مبینہ طور پر یہ تک کہہ دیا کہ مودی کی عقل ماری گئی اور وہ سٹھیا گئے ہیں۔ یہ سوچ منفی ہے کہ بی جے پی ناقابل تسخیر ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یقیناً بی جے پی کو شکست دی جاسکتی ہے بشرطیکہ سیکولر جماعتیں مضبوط و منظّم ہوں۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ کس طرح بنگال کی آہنی خاتون ممتا بنرجی نے بی جے پی کے طوفان میں اس کے ہی قائدین کو غرق کردیا۔ کس طرح کانگریس اور این سی پی جیسی سیکولر پارٹیوں نے اپنی تدبیر سے شیوسینا کی روش بدلی اور اسے ساتھ لے کر بی جے پی کو مہاراشٹر کے اقتدار سے بے دخل کیا۔ مسلمانوں کو عقل وہوش سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ یقیناً ان کے ووٹ بہت قیمتی اور اہمیت کے حامل ہیں۔ اگر وہ تقسیم ہوگئے تو اس کا فائدہ بی جے پی کو ہوگا اور وہ اتر پردیش میں پھر سے اپنی حکومت بنالے گی۔ ملک کی تاریخ میں ہندستان کے سیکولر اور جمہوری نظام کو اتنا شدید نقصان کبھی نہیں پہنچا جتنا کہ گزشتہ سات آٹھ برسوں میں بی جے پی کی مودی حکومت نے پہنچایا۔ ایسا کوئی مثبت اور ترقیاتی کام نہیں ہورہا ہے جس سے ملک وعوام کو فائدہ ہو۔ صرف چند سرمایہ داروں اور اصحابِ اقتدار کے چہیتوں کو ہی پھلنے پھولنے کے مواقع فراہم کیے جارہے

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

> **اس وقت اتر پردیش میں سماجوادی پارٹی کی پوزیشن کافی بہتر ہے اور کانگریس کو مضبوط کرنے کے لیے پرینکا گاندھی کافی محنت کررہی ہیں۔ راہل گاندھی نے سچ کہا ہے کہ اسمبلی انتخابات نفرت کو شکست دینے کا درست موقع ہے۔ مذہب کے نام پر جذباتی نعرے لگانے والے مقررین کے جال میں پھنس کر مسلمان ہرگز اپنا ووٹ ضائع نہ کریں اور نہ اپنے قیمتی ووٹوں کو تقسیم ہونے دیں۔**

تجزیہ

ابھے کمار

آزادی کے ۷۵ سال اور مسلمان

گزشتہ دنوں بھارت کی آزادی کے ۷۵ ویں سال کے موقع پر ملک بھر میں جشن منایا گیا۔ ہر طرف لوگوں نے قومی پرچم لیے ملک پر اپنی جان قربان کردینے والے مجاہدین آزادی کو خراجِ عقیدت بھی پیش کیا۔ یہ موقع تھا جب لوگوں نے ملک کے حالات پر بھی سوچا۔ خاص کر محکوم اور اقلیتی سماج نے اپنے حالات اور مسائل پر بات چیت کی۔ اہم سوال یہ تھا کہ ان سالوں میں محکوم طبقات کو کیا حاصل ہوا؟ ملت، آدیواسی اور دیگر مظلوم طبقات کی طرح مسلمان بھی تعصب اور ناانصافی جھیل رہے ہیں۔ مسلمان اس بات سے دکھی ہیں کہ ملک کی بیشتر سیاسی جماعتیں اسے کھلنا ئک بنا کر اپنی ساری خامیوں پر پردہ ڈال رہی ہیں۔

مسلم مخالف تعصب سسٹم میں کئی دہائیوں سے جڑیں پیوست کرچکا ہے۔ رفتہ رفتہ فرقہ پرستی کا زہر ملک کی رگوں میں پھیلتا گیا۔ اب تو سیکولر پارٹیوں نے بھی مسلمانوں کے مسائل اور ان کے حقوق پر بولنا بند کردیا ہے۔ ملک کے مسلمانوں کے اندر یہ تاثرات یقین میں بدلتے جارہے ہیں کہ وہ اس ملک میں ہندوؤں کے برابر نہیں ہیں جہاں ملک میں مسلمانوں کی آبادی کل آبادی کا تقریباً چودہ فیصد ہیں، وہیں ان کی نمائندگی سرکاری نوکریوں، پارلیمنٹ اور اسمبلی اور دیگر سرکاری اداروں میں پانچ فیصد سے بھی کم ہے۔ کالج، یونیورسٹی میں ان کی تعداد ندارد ہے۔ کئی معاملوں میں ان کی حالت دلتوں سے بھی بدتر ہوگئی ہے۔ وہیں دوسری طرف وہ اپنی آبادی کے تناسب سے کہیں زیادہ جیل میں قید کیے گئے ہیں۔ انھیں انسداد دہشت گردی کے جھوٹے کیس میں مسلسل پکڑا جارہا ہے۔ یواے پی اے کے کیس میں پھنسا کر مسلم نوجوانوں کا مستقبل برباد کیا جارہا ہے، بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے مسلمانوں کو سالوں سال جیل میں بند کردیا جاتا ہے۔ حیرت اس امر پر ہے کہ پانچ سال، دس سال اور کچھ معاملوں میں پندرہ سال کے بعد ایک دن ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جب ان کی رہائی ہوتی ہے تو سنگل کالم کی بھی ایک خبر نہیں بن پاتی ہے۔

مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی کا اعتماد مین اسٹریم میڈیا سے کافی کم ہوگیا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ملک کے حالات کو کشیدہ بنانے اور مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دینے میں گودی میڈیا آگے آگے رہتا ہے۔ وہیں میڈیا مسلمانوں کی سماجی، تعلیمی اور اقتصادی پسماندگی پر شاید ہی کوئی خبر دکھاتا ہے۔ میڈیا مسلم خواتین کی حالت پر بڑا آنسو بہاتا ہے، مگر اس نے شاید ہی کبھی مسلم خواتین کی شرح خواندگی، روزگار اور غربت پر کوئی مہم چلائی ہو۔ مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی میں اس بات پر بڑا غصہ ہے کہ مسلم خواتین کی مظلومیت کا پوسٹر میڈیا اور سیاسی جماعتیں ہر طرف چسپاں کرنے میں آگے رہتی ہیں تاکہ مسلم کمیونٹی مزید ذلیل ہو مگر کبھی ان خواتین کے ٹھوس مسائل پر وہ کچھ نہیں کہتے۔ تین طلاق کے معاملے میں مسلم مردوں کے لیے سزا کا قانون تو بن گیا مگر مسلم خواتین کی راحت اور بازآبادکاری کے لیے ایک روپیہ کا بھی بجٹ نہیں بنایا گیا۔

مسلمانوں کے اندر کچھ لوگ اب ایسا بھی سوچنے لگے ہیں کہ جو وہ جھیل رہے ہیں وہ ان کے بچے اب نہ جھیلیں۔ کچھ پیسے والے تو یہ چاہ رہے ہیں کہ ان کا بچہ پڑھ لکھ کر کسی اور ملک میں بس جائے۔ ان کو اس بات کا ڈر ستا رہا ہے کہ آزاد بھارت میں مسلم مخالف دنگوں کا سلسلہ آج بھی بند نہیں ہوا ہے۔ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ فساد اس ملک کا عام ہندو اور مسلمان نہیں کرتا بلکہ اسے سیاسی مفاد کے لیے کرایا جاتا ہے، جس میں پولیس، انتظامیہ اور سرکار پوری طرح سے ملوث ہوتی ہے۔ لوگوں کو یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ فرقہ پرست پارٹی کے علاوہ سیکولر پارٹیوں نے بھی دنگا کرا کر انھیں برباد کیا ہے۔ تشدد کا یہ سلسلہ اب بھی رکا نہیں ہے۔ کہیں گوشت کے نام پر تو کہیں ایک خاص نعرے پر جو مسلمانوں کے مذہبی عقائد کے خلاف ہوتے ہیں، کے نام پر، اکثر مسلمانوں پر حملے ہورہے ہیں۔ پولیس اور سرکار مظلوموں کو انصاف دلانے کے بجائے حملہ آوروں کو بچاتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہ سب باتیں مسلمانوں کو اندر سے ہلا رہی ہیں، مگر مایوسی کے اس عالم میں دور کہیں جلتا ہوا امید کا چراغ بھی نظر نہیں آرہا ہے۔ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ مسلمان سسٹم کی ناانصافی سے پوری طرح مایوس ہیں، مگر اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے اندر ایک بڑا اہم مثبت بدلاؤ بھی نظر آرہا ہے۔ اس بدلاؤ کے پیچھے بلاشبہ نوجوان اور خاتون ہیں، وہ سابقہ قیادت کے مقابلہ میں زیادہ سرگرم نظر آرہے ہیں اور ان کے اندر اپنے ملک اور ملت کے لیے بہت کچھ کرنے کا جذبہ پایا جارہا ہے۔ مثال کے طور پر یوم آزادی کے موقع پر مجھے تاریخی جامعہ ملیہ اسلامیہ کے آس پاس کے علاقے جیسے اوکھلا، ابوالفضل، شاہین باغ، ذاکر نگر جانے کا موقع ملا۔ میرے کچھ جے این یو کے ساتھی مدرسہ سے فارغ بچوں کے لیے خصوصی کوچنگ ان علاقوں میں چلاتے ہیں۔ کوچنگ میں فارغین مدرسہ کو جے این یو، جامعہ، دہلی یونیورسٹی، اے ایم یو، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد، سینٹرل یونیورسٹی اور دیگر ملک کے بڑے تعلیمی اداروں میں داخلہ ٹیسٹ پاس کرنے کے لیے خصوصی تیاری کرائی جاتی ہے۔

۱۵ر اگست کے موقع پر مجھے مذکورہ کوچنگ میں منعقد ایک تقریب میں مدعو کیا گیا۔ جب میں وہاں پہنچا تو بڑی پریشانی محسوس ہوئی کہ اتنی چھوٹی سی جگہ میں یہ بچے کیسے پڑھائی کرتے ہیں مگر تھوڑی دیر بعد جب میں نے ان بچوں کے چہروں پر حوصلہ اور امید کی روشنی دیکھی تو میرے دل کو بہت سکون ملا۔ نوجوان بچے بڑے جوش کے ساتھ اپنے ہاتھوں میں قومی پرچم اور غبارہ لیے ہوئے بیٹھے تھے۔ کچھ آپس میں بات کررہے تھے تو کچھ دیگر مٹھائی کھانے میں مصروف تھے۔ بعد میں کوچنگ کے ذمہ داروں نے بتایا کہ یہاں پر پڑھنے والے زیادہ تر بچے غریب گھر سے آتے ہیں۔ بہت سے بچوں کے پاس کتاب خریدنے اور کمرہ کرایہ پر لینے کے لیے پیسے نہیں ہوتے مگر ان کے اندر کچھ کرنے کا بڑا جنون ہے۔ مدرسہ کے یہ بچے بڑے ذہین ہیں۔ یہ بہت ساری زبانوں پر قدرت رکھتے ہیں۔ عربی، اُردو، ہندی اور انگریزی وہ بول سکتے ہیں۔ ان کے اندر سوشل سائنس پڑھنے کا بڑا شوق پایا گیا۔ ان میں سے بہت سارے بچے یوپی ایس سی اور دیگر امتحانات کی تیاری کرکے ملک کی تعمیر میں اہم رول ادا کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں سے دیگر صحافی اور ٹیچر بن کر معاشرہ کے لیے مشعل راہ بننے کی خواہش رکھتے ہیں۔

جب میں کوچنگ سے باہر نکلا تو پاس میں ہی مسلم ملّی رہنماؤں کی ایک بڑی میٹنگ چل رہی تھی۔ میٹنگ کا عنوان تھا 'بھارت کی آزادی کے ۷۵ سال اور آئیڈیا آف انڈیا'۔ اس پروگرام میں مقررین نے مسلم مسائل سے جڑی بہت ساری باتیں کیں جن کا ذکر اوپر ہوچکا ہے مگر اس میٹنگ سے امید کا ایک سرچشمہ بھی پھوٹتا ہوا نظر آیا۔ بہت سارے مقررین نے کہا کہ مسلمان بھارت جیسے ایک سیکولر اور جمہوری ملک میں رہتے ہیں جس کا آئین سب کو برابری کے حقوق دیتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں کے اوپر حملے ہورہے ہیں، مگر ظلم کے شکار دلت، آدی واسی اور دیگر محروم طبقات بھی ہیں۔ میٹنگ کے دوران جس بات پر بار بار زور دیا گیا وہ یہ کہ مسلما اپنے مسائل کے ساتھ ساتھ دیگر مظلوم طبقات کے مسائل پر بھی ساتھ آئیں اور آپس میں اتحاد پیدا کریں۔ سی اے اے کے خلاف مسلم نوجوانوں کی قیادت میں جو تاریخی اور انقلابی تحریک چلائی گئی اسے بھی مثال کے طور پر پیش کیا گیا۔ وہاں موجود لوگوں کو اس بات کا یقین دلایا گیا کہ انھیں ڈرنے کی ضرورت بالکل بھی نہیں ہے۔ اس ملک میں مسلمان بیس کروڑ ہیں، اتنی بڑی آبادی کو دنیا کی کوئی طاقت صفحۂ ہستی سے نہیں مٹا سکتی۔ اس لیے مسلمانوں کو ڈر اور خوف کو ترک کرکے ملک اور ملت کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرنا چاہیے۔ ان باتوں کو سن کر مجھے یہ محسوس ہوا کہ رات کے بعد دن ضرور آتا ہے۔ اگر مسلمانوں کے اندر سسٹم کے تئیں مایوسی پائی جاتی ہے تو ان کے اندر امید کے چراغ بھی جل رہے ہیں۔

کھیل کی دنیا

اب سعودی لڑکیاں بھی فٹ بال کے میدان میں

سعودی عرب اپنی ایک خواتین فٹ بالرز کی ٹیم تشکیل دینے کے ساتھ اسے بین الاقوامی معیار کے مطابق تربیت دلوا کر بڑے عالمی فٹ بال ایونٹس میں شرکت کے لیے تیار کر رہا ہے۔ مملکت سعودی عرب میں خواتین کے فٹ بال گیم میں حصہ لینے اور اس کی تربیت وغیرہ حاصل کرنے پر عشروں سے لگی پابندی چند سال پہلے ہٹا لی گئی تھی۔ سعودی عرب میں یوں تو گزشتہ چند سالوں کے اندر کئی اصلاحات پروگرام متعارف کرائے گئے ہیں لیکن اس سلسلے میں رواں ماہ سعودی فٹ بال فیڈریشن کی طرف سے خواتین فٹ بال لیگ کے قیام کا اعلان تازہ ترین اور اہم ترین قدم سمجھا جا رہا ہے۔ اس اعلان میں کہا گیا کہ خواتین فٹ بالرز کی سولہ ٹیمیں ویمنز سوکر لیگ میں شامل ہوں گی۔ یہ ٹیمیں ریاض، جدہ اور دمام میں ہونے والے گیمز میں حصہ لیں گی۔

سعودی عرب کی خواتین کو فٹ بالر بننے کی اجازت ملنے سے بہت سی خواتین انتہائی خوشی کا اظہار کر رہی ہیں۔ بہت ہی جوش وخروش کا مظاہرہ کرنے والی فراح عفری نے اپنی دلی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ امید کر رہی ہیں کہ وہ انگلینڈ کی ٹاپ کی ٹیم میں کھیلنے کے ساتھ ساتھ ورلڈکپ کے سب سے بڑے فٹ بال اسٹیج پر اپنے ملک سعودی عرب کی نمائندگی کریں گی۔ انھوں نے بتایا کہ اپنے فٹ بال کے سفر کے آغاز میں مجھے کچھ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، تاہم لوگوں نے اسے قبول نہیں کیا۔ جرسی میں ملبوس اور ایک پونی ٹیل بنائے فرح جعفری کا مزید کہنا تھا کہ میرے گھر والے اور دوست میری بہت حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

فٹ بال کی شوقین بہت سی دیگر سعودی لڑکیوں کی طرح فرح بھی ماضی میں فٹ بال کھیلنے سے قاصر تھیں۔ وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ یا اسکول میں دوستوں کے ساتھ فٹ بال کھیلا کرتی تھیں۔ فرح نے بتایا کہ اس کے پاس صرف ایک متبادل شوق ٹیلی ویژن پر کھیلوں کے مقابلے دیکھنا تھا۔ حکام کے مطابق فرح جعفری ان تیس کھلاڑیوں میں سے ایک ہیں، جنھیں سعودی فٹ بال اسکواڈ کا حصہ بننے کے لیے ۴۰۰ر امیدواروں میں سے منتخب کیا گیا ہے۔ فرح اُس دن کا خواب دیکھ رہی ہیں جس روز ورلڈکپ میں اپنے ملک کی نمائندگی کر سکیں گی۔ وہ انگلش ٹیم مانچسٹر سٹی کے لیے بھی کھیلنے کی امید رکھتی ہیں۔ ریاض کے پرنس فیصل بن فہد اسٹیڈیم میں تربیتی سیشن کے دوران سعودی ٹیم میں شامل خواتین پرجوش انداز میں میدان میں اترتی ہیں، ان میں سے کچھ بغیر نقاب یا برقع کے لیکن اپنی شارٹس کے نیچے لمبے ٹریک سوٹ پہنتی ہیں۔ حکام نے ابھی تک سعودی خواتین کے لیے کھیلوں کے لباس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی ہے جبکہ ماضی میں ان پر سعودی عرب کی مذہبی پولیس کی طرف سے سخت ڈریس کوڈ نافذ تھا۔

ثانیہ مرزا ۲۰۲۲ء کے بعد ریٹائرمنٹ لیں گی

ٹینس اسٹار نے صحت اور بچے کے ساتھ سفر کو کھیل چھوڑنے کا اصل سبب بتایا

ہندستانی اسٹار خاتون ٹینس کھلاڑی ثانیہ مرزا نے ۲۰۲۲ء کے سیزن کے بعد ٹینس سے ریٹائرمنٹ کا اعلان کیا۔ انھوں نے یہاں ساتھی نادیہ کچینوک کے ساتھ پہلے گرینڈ سلیم ٹینس ٹورنامنٹ آسٹریلین اوپن کے خواتین کے ڈبلز کے پہلے راؤنڈ میں ہارنے کے بعد اعلان کیا کہ ۲۰۲۲ء ان کا آخری سیزن ہوگا کیونکہ ان کا جسم کمزور ہو رہا ہے اور روزمرہ کی زندگی کے لیے حوصلہ افزائی اور توانائی اب پہلے جیسی نہیں رہی۔ ثانیہ نے میچ کے بعد پریس کانفرنس میں کہا کہ اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ میں نہیں کھیلوں گی، یہ کہنے میں جتنا آسان ہے اتنا ہے نہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ مجھے صحت یاب ہونے میں زیادہ وقت لگ رہا ہے۔ میرا بیٹا تین سال کا ہے، میں اس کے ساتھ اتنا سفر کر کے اسے خطرے میں ڈال رہی ہوں، یہ کچھ ایسا ہے جس کا مجھے خیال رکھنا ہے۔ میرا جسم کمزور ہو رہا ہے۔ آج میرے گھٹنے میں بہت درد ہو رہا تھا اور میں یہ نہیں کہہ رہی کہ ہم اس کی وجہ سے ہار گئی لیکن مجھے لگتا ہے کہ جیسے جیسے میری عمر بڑھتی جا رہی ہے ٹھیک ہونے میں وقت لگ رہا ہے۔ قابل ذکر ہے کہ ۳۵ سالہ ثانیہ مرزا نے مارچ ۲۰۱۹ء میں بیٹے کو جنم دینے کے بعد ٹینس میں واپسی کی تھی تاہم بعد میں کورونا وبا نے ان کی کھیل میں پیش رفت کو متاثر کیا۔

قابل ذکر ہے کہ ثانیہ مرزا ۲۰۰۳ء سے ۲۰۱۳ء تک مسلسل ایک دہائی تک خواتین ٹینس ایسوسی ایشن کے سنگلز اور ڈبلز میں ٹاپ رینک والی ہندستانی ٹینس کھلاڑی تھیں۔ صرف اٹھارہ سال کی عمر سے ٹینس کھیلنے کے لیے مشہور ہونے والے اس کھلاڑی کو ۲۰۰۶ء میں پدم شری سے نوازا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ثانیہ یہ اعزاز حاصل کرنے والی سب سے کم عمر کھلاڑی ہیں۔ ثانیہ کو ۲۰۰۶ء میں امریکہ میں موسٹ امپریسیو نیوسٹ ایوارڈ سے نوازا گیا تھا۔ ۲۰۰۳ء میں ہندستان کی طرف سے وائلڈ کارڈ انٹری ملنے کے بعد ثانیہ مرزا نے شاندار طریقے سے ومبلڈن میں ڈبلز کے دوران جیت حاصل کی۔ ہندستان کی طرف سے ۲۰۰۹ء میں ثانیہ مرزا گرینڈ سلیم جیتنے والی پہلی خاتون کھلاڑی بنیں۔ سال ۲۰۰۴ء میں ان کی اعلیٰ کارکردگی پر حکومت ہند کی طرف سے انھیں ۲۰۰۵ء میں ارجن ایوارڈ سے نوازا گیا۔ ۲۰۰۵ء کے آخر میں ثانیہ کی بین الاقوامی رینکنگ ۴۲ تھی جو اس وقت کسی بھی ہندستانی ٹینس کھلاڑی کے لیے سب سے زیادہ تھی۔

طب وصحت

اومیکرون- علامات اور خطرناک اثرات

بھارت کی طرح دنیا بھر میں کورونا وائرس کی نئی قسم اومیکرون کے پھیلاؤ میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور اس کے پھیلاؤ کے سدباب کیلئے سخت نوعیت کے مختلف اقدامات اُٹھائے جا رہے ہیں۔

گذشتہ تین سے چار ہفتوں میں بھارت میں بھی وائرس کی نئی قسم کے پھیلاؤ میں تیزی آئی ہے۔ وائرس کی نئی قسم کے زیادہ تر کیس لگ بھگ ساٹھ فیصد ملک کے دو تین بڑے شہروں میں سامنے آئے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ وائرس کی یہ نئی قسم اب تک اتنی زیادہ مہلک اور جان لیوا تو ثابت نہیں ہوئی جس کا خطرہ تھا لیکن جس تیز رفتاری سے اس کا پھیلاؤ ہو رہا ہے، وہ ایک پریشان کن امر ہے، اسی لیے یہ جاننا نہایت ضروری ہے کہ وائرس کی اس نئی قسم کی کیا علامات ہیں اور کیا یہ گذشتہ وائرس کی نسبت مختلف طریقے سے انسانی جسم پر اثر انداز ہوتی ہے؟

اب تک کی تحقیق اور منظر عام پر آنے والی معلومات کے مطابق جب اومیکرون کسی بھی شخص پر حملہ آور ہوتا ہے تو شروع شروع میں ایسا لگتا ہے کہ متاثرہ فرد کو نزلہ یا زکام ہے کیونکہ اس وائرس کے لاحق ہونے کی ابتدائی علامات کچھ ایسی ہی ہیں۔ دیگر عام علامات میں گلے میں خراش، ناک کا بہنا اور سردرد شامل ہیں۔

ایک بہت ہی ماہر ڈاکٹر نے بتایا کہ اب تک یہی دیکھا گیا ہے کہ اومیکرون کی علامات نسبتاً ہلکی اور فلو جیسی ہیں جو کورونا وائرس کی دیگر اقسام سے زیادہ مختلف نہیں۔ انھوں نے کہا کہ ان علامات میں ناک کا بہنا، کھانسی اور بخار شامل ہیں۔ اومیکرون سے قبل منظر عام پر آنے والی کورونا وائرس کی دیگر اقسام میں ایک اہم علامات یہ بھی کہ متاثرہ مریض کو شکایت ہوتی تھی کہ اس کی سونگھنے اور چکھنے کی صلاحیت ختم ہو چکی ہے یعنی نہ تو کسی کھانے کا ذائقہ آتا تھا اور نہ ہی کسی قسم کی خوشبو یا بدبو کا احساس ہوتا تھا۔ یہ ایک اہم نشانی تھی جس سے معلوم ہوسکتا تھا کہ یہ کورونا وائرس ہی ہے لیکن اومیکرون میں یہ علامات اس شدت سے ظاہر نہیں ہوتیں۔ پرانے وائرس میں مریض کو کھانسی اور بخار کی علامات بھی ظاہر ہوتی تھیں۔ ماہرین کے مطابق اومیکرون میں یہ علامات بھی اتنی حد تک عام نہیں لیکن اب تک عالمی اور سرکاری سطح پر کورونا وائرس کی سب سے بڑی تین علامات یہی ہیں کہ مریض کو کھانسی اور سردرد کے ساتھ ذائقے اور سونگھنے کی حسوں میں کمی محسوس ہوگی۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اب تک اومیکرون وائرس سے متعلق اعداد وشمار پر تحقیق کی کمی ہے۔

نزلہ زکام اور اومیکرون میں کیسے تفریق کی جائے؟

زوئی کووڈ ایپ نے سینکڑوں افراد سے یہ سوال کیا کہ ان میں کورونا کی کیا علامات ظاہر ہوئیں اور بعد میں ان کو کون سے وائرس کی تشخیص ہوئی۔ ماہرین نے ان اعداد وشمار کا جائزہ لے کر یہ بتایا کہ کسی کو بھی ان پانچ اہم علامات پر نظر رکھنی چاہیے جن میں ناک کا بہنا، سردرد، تھکاوٹ، گلے میں خراش اور چھینکیں آنا شامل ہیں۔ اگر یہ علامات ظاہر ہوں تو فوری طور پر اپنا ٹیسٹ کروانا چاہیے تاکہ کورونا وائرس کی تشخیص اور تصدیق ہوسکے جس کے بعد ہی یہ معلوم کیا جاسکے گا کہ وائرس کی کونسی قسم نے متاثر کیا ہے، جیسا کہ قارئین کرام کو معلوم ہے کہ کورونا ایک ایسی ہیبت ناک بیماری ہے جو کافی لاگ دار ہے یعنی گھر کے کسی فرد کو لگ گئی تو نہ صرف پورا کنبہ اس کی لپیٹ میں آتا ہے بلکہ وہ لوگ بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں جو متاثرہ شخص کے رابطے میں آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سطح پر یہ کوشش ہونی چاہیے کہ اس بیماری سے بچا جائے۔ جو بھی احتیاطی تدابیر ہوں ان پر عمل کرنے سے نہ صرف خود کو بلکہ اپنے کنبے کے پیاروں اور ان دوستوں کو اس مہلک بیماری سے بچایا جاسکتا ہے، جو بار بار رابطے میں آئے ہوں گے۔ اس سارے معاملے کو کسی مذہب، سیاست، ذات وغیرہ سے نہ جوڑتے ہوئے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے سے مہلک بیماری سے بچا جاسکتا ہے۔ گذشتہ تین دنوں سے اچانک کورونا کے معاملات میں غیر متوقع طور پر اضافہ دیکھنے کو مل رہا ہے جبکہ ہلاکتوں کی تعداد بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ ماہرین اسے کورونا کی تیسری لہر گردانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کورونا کی تیسری لہر ہے جو جنوری کے آخر اور فروری کے اوائل میں اپنے شباب پر ہوگی اور اس سے ہلاکتوں میں بھی اضافہ ہوسکتا ہے۔ ہر ایک کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ایسی کوئی حرکت نہیں کرنی چاہیے جس کی وجہ سے حکومت کو مزید سخت پابندیاں عائد کرنے

(باقی صـ۱۴ پر)

ادبیات

تمنا ہے کہ طیبہ کی طرف اب ہو سفر میرا

محمد راشد رحیمی بڈیڈوی

تمنا ہے کہ طیبہ کی طرف اب ہو سفر میرا
منور نورِ طیبہ ہی سے بس اب ہو جگر میرا

چمک جاتے ہیں قسمت کے ستارے جس جگہ جاکر
خدا ہر پل ہر اِک لمحہ وہیں اب ہو بسر میرا

محمدؐ کے پسینے کی جہاں خوشبو ہے پھولوں میں
صحابہ کا حسیں گلشن وہاں اب ہو شجر میرا

سنا ہے ہر گھڑی اس خاک پہ رحمت برستی ہے
مدینے پاک کی اس خاک پر اب ہو گذر میرا

کبھی کعبہ، کبھی روضہ، کبھی صفہ و مزدلفہ
وہاں کے زائروں میں نام ہو اب ہو مگر میرا

نظر بے چین، دل بیتاب ہے، دلبر نظارے کو
جھکا تعظیم کے مارے وہاں اب ہو یہ سر میرا

الٰہی اپنے راشدؔ کو وہاں ایک بار پہنچا دے
رئیسِ دو جہاں کے شہر میں اب ہو حضر میرا

باطل پرست جو بھی تھا غصہ سے جل گیا

قاری محمد اسحاق حافظؔ سہارنپوریؒ

محشرِ بداماں اس طرح پیکِ اجل گیا
اجسام کی تو بات کیا روحیں کچل گیا

راہِ بلند و پست میں گر کر سنبھل گیا
میں مشکلوں میں پھنس کے بھی آگے نکل گیا

سینچا گیا تھا جس کو شہیدوں کے خون سے
وہ گلستانِ قوم و وطن آج جل گیا

کل تک جو میرا مونس و غم خوار تھا بہت
بدلا جو رنگِ دہر تو وہ بھی بدل گیا

تیرا ہی دل تھا جس پہ اثر کچھ نہ ہوسکا
مظلومیت کی آنچ سے پتھر پگھل گیا

بربادیوں کا میری کوئی غم نہ کیجیے
اچھا ہوا کہ آپ کا ارماں نکل گیا

اشکِ الم میں بہہ گئے ارمانِ دل مرے
طوفان چڑھ کے کشتیٔ عشرت نگل گیا

اے شیخ تیرے لب پہ ہے کیوں میکدے کی بات
جادو نگاہِ مست کا کس کس پہ چل گیا

ہر وقت گردشوں کی شکایت نہ کیجیے
انساں وہی ہے غم کے جو سانچے میں ڈھل گیا

اُس کی غرض کو دیدۂ عبرت سے دیکھیے
جو کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

حافظؔ نے حق کی بات کہی جب بھی بزم میں
باطل پرست جو بھی تھا غصہ سے جل گیا

ترقی یافتہ دنیا کا میں بھی اِک قلندر ہوں

فاروق ارگلی

ترقی یافتہ دنیا کا میں بھی اِک قلندر ہوں
نہیں ہے نام میرا کوئی میں بس ایک نمبر ہوں

یہ سچی بات ہے سب کی نظر میں آ نہیں سکتا
جو اِک کوزے میں چھپ جاتا ہے میں ایسا سمندر ہوں

اگر مجھ پر کروگے مشق لکھنا سیکھ جاؤگے
بہت سیدھی لکیریں ہیں بس اِک سادہ سا مسطر ہوں

بچھا کر لیٹ تو سکتے ہو لیکن سو نہیں سکتے
نظر آتا ہوں مخمل سا مگر کانٹوں کا بستر ہوں

غلو ٹھہرا رہے ہیں میرے سچ کو وہ سرِ محفل
سیاستداں نہیں صاحب میں اُردو کا سخنور ہوں

مجھے حد سے گزرنے پر کبھی مجبور مت کرنا
شرافت نے مقرر کی ہے جو، اس حد کے اندر ہوں

ناسور بن کے دل کی زمیں پر برس گئیں

ڈاکٹر حنیف ترین

خوابوں کے منظروں کو نگاہیں ترس گئیں
لمبی اُچاٹ نیندیں سرابوں کو ڈس گئیں

رنگوں کی خود نمائی پہ وہ خود کو ڈس گئیں
پی کر جو تتلیاں ابھی پھولوں کا رس گئیں

پر دار جب سے ہوگئیں خود اعتمادیاں
خوش فہمیاں یقین کے جنگل میں بس گئیں

دل سے نکل کے بھیگی ہوئی آنکھ چوم کر
آنسو کے لب پہ چیختی آہیں جھلس گئیں

پلکوں پہ نارسائی کی کچھ بدلیاں حنیفؔ
ناسور بن کے دل کی زمیں پر برس گئیں

مجھے ان کی عنایت اور دلداری نہیں بھاتی

محمد افضلؔ شیر کوٹی

کمینوں کی قیادت اور سرداری نہیں بھاتی
مجھے ان کی عنایت اور دلداری نہیں بھاتی

کیا تھا مجھ پہ اِک احسان اور سو بار جتلایا
اسی خاطر مجھے کم ظرف کی یاری نہیں بھاتی

میں ڈرتا ہوں مری نیکی کہیں ضائع نہ ہوجائے
مجھے نیکی کے کرنے میں ریاکاری نہیں بھاتی

ہوئی ہے آبیاری دینِ احمد کی غریبوں میں
جہالت جیتی ہو جس میں وہ ناداری نہیں بھاتی

اُٹھا کر لا رہے ہیں دور کی کوڑی یہ اہلِ فن
پیامِ حق نہ ہو جس میں وہ فنکاری نہیں بھاتی

مسائل سے ہیں نبرد آزما اہلِ جنوں سارے
خرد کی سازشیں پیہم یہ غداری نہیں بھاتی

اگر تعلیم میں عیسائیت کو ہو فروغ افضلؔ
مجھے تعلیم میں بس ایسی بیداری نہیں بھاتی

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں بھی منایا گیا یومِ جمہوریہ

مرادآباد، ۲۷؍جنوری: یومِ جمہوریہ کے موقع پر عوام جوش وخروش کے ساتھ قومی تہوار یومِ جمہوریہ کومنانے میں مصروف رہے۔اس دن کی اہمیت کوسمجھنے اور سمجھانے کے مقصد سے شہر کے دیگر اسکولوں، مدارس وغیرہ پرشاندار پروگرام منعقد ہوئے۔ بھارت کا قومی پرچم بھی پھہرایا گیا۔اس موقع پرحاضرین میں مٹھائیاں بھی تقسیم کی گئیں۔اس موقع پرشہر ہی نہیں بین الاقوامی شہرت رکھنے والے ادارے میں بھی پوری شان وشوکت کے ساتھ یومِ جمہوریہ منایا گیا۔مدرسہ شاہی اورادارہ حافظ الرحمٰن پرائمری اسکول کے مشترکہ پروگرام دارالطلبہ لال باغ میں بڑی تعداد میں طلباء و اساتذہ کرام نے شرکت کی۔ دارالطلبہ کے پروقار صحن میں ترنگے کی پرچم کشائی حضرت مہتمم صاحب کے ہاتھوں ہوئی اوراس کے بعد حمیدیہ ہال میں ایک اجلاس منعقد ہوا،جس میں حضرت محترم نے فرمایا کہ جمہوریت ہمارے اکابرین اور بزرگوں کی قربانیوں کا ثمر ہے۔ اگر ہمارے اکابرین کی قربانیاں شامل نہ ہوتیں تو نہ ہندستان آزاد ہوتا اور نہ ہی یہاں جمہوری نظام قائم ہو پاتا۔لہٰذا ہمیں اس کے تحفظ کے لیے کوشاں رہنا چاہیےاور سبھی سیکولر طاقتوں کے ساتھ معاونت کرنی چاہیے۔

موصوف نے تمام مجاہدین آزادی کوخراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کے مجاہدانہ اور سرفروشانہ کارنامے کواجاگر کیا اوراس بات پر زوردیا کہ سیکولرزم کی بقا اور مضبوطی کے لیے ذاتی مفاد سے اوپر اُٹھ کرتمام سیاسی سماجی اور دفاعی امور کوایک پلیٹ فارم پرآنا چاہیے اورمل جل کر ملک کی جمہوری ڈھانچے کی حفاظت کرنی چاہیے۔ بعدازاں حضرت سیّد مفتی محمد سلمان صاحب مفتی جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی نے یومِ جمہوریہ کی مرتب انداز میں اجمالی تاریخ سے روشناس کراتے ہوئے فرمایا کہ جمہوری نظام ہمارے بزرگوں کی دین ہے۔ آئین ہند کوتیار کرنے میں اوراس کو سیکولر بنانے میں مجاہدین علماء بالخصوص جمعیۃ علماء ہند کا بڑا دخل رہا ہے۔ یہ انھیں بزرگوں کی قربانیوں کا نتیجہ ہے،لہٰذا ہم ان تمام کوخراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

بقیہ— مالدیپ- ایک بارپھر...

نے ہندستان کو اپنے علاقہ سے دو ہندسانی ہیلی کاپٹر نکال باہر کرنے کے لیے الٹی میٹم دیا تھا۔ یامین حکومت کا جھکاؤ اس وقت چین کی طرف تھا اور مبصرین کا احساس تھا کہ چین کے اکسانے پر ہی یامین حکومت نے ہندستان کے تعلق سے اپنے تیور تیکھے کیے تھے۔ستمبر ۲۰۱۸ء کے انتخابات میں صدر ابراہیم محمد صالح کی فتح وکامرانی کے بعدنئ حکومت نے انڈیا فرسٹ خارجہ پالیسی اختیار کرتے ہوئے ہندستان سے روایتی خوشگوار تعلقات بحال کیے۔ گزرے سال جنوری میں صدر ابراہیم محمد صالح نے ہندستانی میڈیا سے بات کرتے ہوئے کہا تھا کہ مالدیپ نے ہندستان کے ساتھ قریبی تعلقات استوار کرنے کے لیے کوئی معذرت خواہی نہیں کی۔ مالدیپ اسمبلی کے اسپیکر اور سابق صدر محمد نشید نے جن کی پارٹی ابراہیم صالح کی حلیف ہےاور جو مالدیپ کے بااثر رہنما ہیں،قبل ازیں یہ کہا تھا کہ مالدیپ کے لیے ہندستان سب سے اہم ترین ملک ہے۔ انھوں نے کہا کہ سیاسی مخالفین مایوسی کا شکار ہیں۔ دوسری طرف صالح حکومت کے مخالفین بشمول محمد سعید کا کہنا ہے کہ وہ ہندستان یا ہندستانی عوام کے خلاف نہیں ہیں، ہم ہندستانی کلچر سے محبت کرتے ہیں۔ ہمارے عوام ہندستانی فلموں کے شیدائی ہیں۔ بہرحال وہ کسی بھی بیرونی فوج کی موجودگی کے خلاف ہیں، چاہے وہ ہندستان کی فوج ہو یا چین کی فوج ہو،محمد سعید نے مالدیپ کی بندرگاہ کی ترقی کے حوالہ سے ہندستان کے ساتھ کیے گئے معاہدہ پرضرور تنقید کی ہے۔سیاستدانوں کے مذکورہ آپسی اختلافات کی وجہ سے چھوٹا سا ملک داخلی انتشار اور افتراق سے دوچار نظر آرہا ہے۔□□

بقیہ— حکمراں اور اپوزیشن....

ہیں۔ بقول سابق وزیراعظم منموہن سنگھ لوٹ مار جاری ہے۔نوٹ بندی اور بینکوں کے اسکینڈس نے ملکی معیشت کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ ماضی میں کبھی ایسا نہیں ہوا، اس کی مثال ہی نہیں ملتی۔ پارلیمنٹ میں بغیر کسی مباحثہ کے یکطرفہ بل پاس کیے جارہے ہیں جس سے ماہرین قانون اور حتیٰ کہ چیف جسٹس آف انڈیا نے بھی حیرت اور تشویش کا اظہار کیا ہے۔حق وانصاف کی بات کرنے اور ظلم وناانصافی کے خلاف آواز اُٹھانے والوں کو جیلوں میں ٹھونسا جارہا ہے جبکہ فسادات بھڑکانے والوں کو مذہب کے نام پر تشدد اور دنگا برپا کروانے والوں کو اور معزز خواتین کی نیلامی کی سازشیں رچنے والے مجرمین کو خاموش تائید حاصل ہورہی ہے۔ وزیراعظم کو سانپ سونگھ گیا ہے۔ ملک کا دانشور طبقہ اور انصاف پسند غیر جانبدار صحافی مایوس اور متفکر ہیں۔ان حالات میں ملک کو بچانے اور بی جے پی کوشکست دینے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ کانگریس اور دوسری سیکولر پارٹیوں کومضبوط کیا جائے۔اس وقت اتر پردیش میں سماجوادی پارٹی کی پوزیشن کافی بہتر ہے اور کانگریس کو مضبوط کرنے کے لیے پرینکا گاندھی کافی محنت کررہی ہیں۔راہل گاندھی نے سچ کہا ہے کہ اسمبلی انتخابات نفرت کوشکست دینے کا درست موقع ہے۔ مذہب کے نام پر جذباتی نعرے لگانے والے مقررین کے جال میں پھنس کر مسلمان ہرگز اپنا ووٹ ضائع نہ کریں اور نہ اپنے قیمتی ووٹوں کو تقسیم ہونے دیں۔بی جے پی اوراس کی مدد کرنے والوں کا راستہ روکنے کے لیے مغربی بنگال کے طرز پر رائے دہلی ہونی چاہیے ورنہ بعد میں برسوں پچھتانا پڑے گا۔□□

دنیا کا عظیم ترین
سکندر اعظم بھارت میں طاقت کا کیپسول
نیا بھروسہ ایک ہی کیپسول سے زبردست
طاقت و جسمانی کمزوری دور کریں
میڈیکل اسٹور سے خریدیں یا فون کریں:
09212358677, 09015270020

ملک کے تمام طبقات کوساتھ لیکر ہی ترقی اور وِشوگرُو کا خواب پورا ہوسکتا ہے: مولانا امین الحق عبداللہ قاسمی

جمعیۃ علماء شہر کانپور اور جامعہ محمودیہ اشرف العلوم میں پرچم کشائی کے بعد تقریب یوم جمہوریہ کا انعقاد

کانپور، ۲۷؍جنوری: جنگ آزادی اوراس کے بعد آئین سازی میں قائدانہ کردار ادا کرنے والی مسلمانانِ ہند کی سب سے قدیم، متحرک اور فعال تنظیم جمعیۃ علماء ہند کی ضلعی شاخ جمعیۃ علماء کانپور کی جانب سے دفتر جمعیۃ علماء رجبی روڈ اور مشرقی یوپی کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ محمودیہ اشرف العلوم جامع مسجد اشرف آباد جاج مئو کانپور میں یوم جمہوریہ کے موقع پر حسب سابق تقریب پرچم کشائی منعقد کی گئی اور مجاہدین آزادی ودستورِ ہند کے محسنین کوخراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔اس موقع پر جمعیۃ علماء اتر پردیش کے نائب صدر اور جامعہ محمودیہ کے ناظم مولانا امین الحق عبداللہ قاسمی نے اپنے خطاب کے دوران اکابر جمعیۃ ودیگر مجاہدین آزادی کی جدوجہد کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ آج ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ہمارے بزرگوں نے کسی کریڈٹ کے لیے قربانیاں نہیں دیں بلکہ اپنے ملک اور ملک میں بسنے والوں کو اپنا بھائی سمجھ کران کی بھلائی کی خاطر محض اللہ واسطے تن من دھن کی قربانیاں دیں اور جدوجہد کی عظیم تاریخ رقم کرڈالی۔ ہمیں بھی چاہیے کہ اگر ہم اسے اپنا ملک سمجھتے ہیں اور ملک والوں کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں تو دوسروں کے طعنوں سے دلبرداشتہ ہوئے بغیر تمام باشندگانِ وطن کی بھلائی کی خاطر محض اللہ کی رضا کے لیے اپنے حصہ کی ذمہ داری ادا کریں۔مولانا نے کہا کہ ہمارے بزرگوں نے بڑی محنتوں سے یہاں کا سیکولر آئین تیار کیا۔

بقیہ— لڑکیوں کی شادی....

کا اندیشہ ہے، یہ بڑا افساد وہی جنسی بے راہ روی، زناکاری، بن باپ کے بچوں کی ولادت ہے،اس لیے ہمیں یہ قانون کسی طرح منظور؛ بلکہ گوارہ نہیں ہے، جب اٹھارہ سال کی عمر میں شادی ہوتی ہے تو ان کی تولیدی صلاحیت میں کمی محسوس کی جارہی ہےاور ایک سروے کے مطابق تیرہ فی صد عورتیں بانجھ پن کی شکار پائی جارہی ہیں، تین سال عمر میں اضافہ کی وجہ سے بانجھ پن میں مزید اضافہ ہوگا، یہ ہماری سوچ نہیں، دہلی میڈیکل کونسل کے سکریٹری ڈاکٹر گریش تیاگی کا کہنا ہے۔

ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں بلوغیت کی عمر لڑکیوں کی الگ الگ ہے، اس میں رہن سہن کے طریقے، کھانے پینے اور موسم کا بھی اثر ہوتا ہے، ماہر طبیبوں کی رائے اس سلسلہ میں یہ ہے کہ جسمانی ساخت کے اعتبار سے لڑکیاں،لڑکوں سے عمر کے اعتبار سے بہت پہلے بالغ ہوجاتی ہیں، ان کے اندر جنسی تبدیلی نو سال کے بعد سے شروع ہونے لگتی ہیں،اور بارہ سال کی عمر ان کی اس لائق ہوتی ہے کہ وہ رشتہ ؟ ازدواج میں بندھ سکیں۔ تیس برس کی ہوتے ہوتے ان کی تولیدی صلاحیت اس قدر کمزور ہونے لگتی ہے کہ ماں بننے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اس کے علاوہ معاشی طور سے کمزور والدین اپنی اس ذمہ داری سے جلد سبکدوش ہونا چاہتے ہیں، انہیں اپنی ضعف وعلالت کی وجہ سے بھی ان کے ہاتھ پیلے کرنے کی جلدی ہوتی ہے، ایسے میں تین سال مزید انتظار ان کے لیے انتہائی پریشان کن ثابت ہوگا،معقول رشتے جلد ملتے نہیں ہیں، مل جائیں تو اس مرحلہ سے گذر جانے میں ہی عافیت محسوس کیا جاتا رہا ہے، سرکار اچھی طرح جانتی ہے کہ لڑکیوں کی شادی کی عمر بڑھا دینے سے کوئی انقلاب آنے والا نہیں ہے یہ کام ہمیشہ سے لڑکیاں اپنی مرضی یا گارجین کی ہدایت پر کرتی رہی ہیں، اب بھی ایسا ہی ہوگا۔البتہ اس قانون کے ذریعہ ملک کی عوام کو تقسیم کرکے ووٹر کو اپنی طرف کیا جاسکے گا۔□□

بقیہ— نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اندازِ تعلیم وتربیت

اوّل وآخر کے ساتھ،انھیں دونوں وقتوں کے مابین تمہاری نمازوں کے اوقات ہیں۔

عملاً وضو کا طریقہ بتلانا

حضراتِ محدثین عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر وضو کرنے کا طریقہ دریافت فرمایا تو آپ نے ان کو زبانی وضو کا طریقہ نہیں بتلایا، بلکہ وضو کا پانی منگوایا اوراس کے روبرو آپ نے وضو کرکے اس کو وضو کرنے کا طریقہ بتلایا اور سکھلایا۔

عملاً نماز سکھلانا

حضرت امام بخاریؒ نے حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی للہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیدہ ودانستہ عام جگہ محراب سے ہٹ کر منبر پر چڑھ کر محض اس لیے نماز ادا فرمائی تاکہ لوگوں کے سامنے عملی طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائیگی کا طریقہ آجائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فراغت کے بعد از خود ارشاد فرمایا: ’’میں نے خلافِ معمول منبر پر چڑھ کر نماز محض اس لیے پڑھائی تاکہ تم بچشم سر میری نماز کی ادائیگی کا طریقہ دیکھ لو، پھر میری طرح نماز پڑھو۔‘‘

عملاً جانور ذبح کرنے کا طریقہ سکھلایا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں نماز پڑھانے تشریف لے جارہے تھے کہ راستہ میں دیکھا کہ ایک نوخیز بچہ ایک بکری ذبح کرنے جارہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ سے چھری لی، اس کو ایک طرف کیا اور کہا کہ دیکھو میں کیسے جانور ذبح کرتا ہوں؟ چنانچہ سنت کے مطابق جانور کو لٹا کر ذبح کیا اور نوخیز بچے سے مخاطب ہوکر کہا کہ اس طرح جانور کو ذبح کیا کرو، پھر آپ نے اس کے ہاتھ میں چھری تھمائی اور نماز پڑھانے تشریف لے گئے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نیا وضو نہیں کیا بلکہ گھر کے وضو کو کافی سمجھا۔□□

بقیہ— منظر پس منظر

ہندوستانی ’واٹرویک‘ میں سال گزشتہ ۱۴ ممالک کے ۱۶۰۰ نمائندوں نے حصہ لیکر تبادلہ خیال میں بتایا تھا کہ ملک میں فی کس صاف پانی کی فراہمی مسلسل گھٹ رہی ہے۔زیرزمین پانی کا ضرورت سے زیادہ استعمال ہونے کی وجہ سے ہندوستان کی کئی ریاستوں میں اس کی سطح نازک صورت حال تک پہنچ چکی ہے۔ بارش کا پانی بے کار جارہا ہے اور اس کے استعمال کے لئے کوئی طریقہ نہیں ہے۔ ماہرین نے بتایا کہ ہندوستان میں پانی کا بحران مسلسل بڑھ رہا ہے۔کئی ریاستوں میں خشک سالی کی وجہ سے پانی عوام کی سب سے بڑی پریشانی کا سبب بن گیا ہے۔ بارش کے پانی کے تحفظ کے لئے اقدامات نہ ہونے کی وجہ سے ہر سال ۴ ہزار ارب مکعب میٹر بارش کا پانی بے کار ندیوں میں بہہ جاتا ہے۔اگر حکومت بارش کے پانی اور زیرزمین پانی کے تحفظ کے لئے ٹھوس قدم اٹھاتی ہے تو اس سے پانی کے بحران کو کم کیا جاسکتا ہے۔ ہندوستان میں پانی کی دستیابی پر تشویش ظاہر کرتے ہوئے ماہرین نے بتایا کہ ہندوستان میں دنیا کی ۱۸ فیصد آبادی رہتی ہے اور یہاں تازے پانی کی فراہمی صرف چار فیصد ہے۔اس صورت حال میں تیزی سے ترقی کر رہے ہندوستان کے لئے اپنی تیزی سے بڑھتی آبادی، زراعت کی ضرورتیں، شہرکاری کی وسعت اور صنعت کاری کے پھیلتے شعبے کے لئے پانی کی قلت ایک بڑا چیلنج بن کر سامنے آرہی ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ کسی بھی ملک کی پانی کی دستیابی اوراس کی مجموعی گھریلو پیداوار (جی ڈی پی) کے درمیان گہرا تعلق ہوتا ہے۔اس صورت حال میں ہندوستان میں فی کس پانی کی دستیابی کی سطح بہت کم ہے اور اسے بڑھانے کے لئے ہرسطح پر خصوصی اقدامات کئے جانے کی ضرورت ہے۔□□

بقیہ: —— مراسلات

اقتدار ملتے ہی خاموشی اختیار کرلی۔ یہ خاموشی اتنی طویل ہوگئی کہ سات سال گذر چکے ہیں لیکن حکومت کو اس تعلق سے کچھ تفصیل تک معلوم نہیں ہے۔ یہ یا تو حکومت کی حد درجہ ناکامی ہے یا پھر مجرمانہ غفلت ولاپرواہی ہے۔

مختلف ذرائع اور میڈیا کی جو رپورٹس ہیں وہ حکومت کے دعوؤں کی نفی بھی کرتی ہیں۔ کچھ میڈیا رپورٹس میں کہا گیا ہے کہ ہرسال بیرونی ممالک میں ہندستان کا جو کالا دھن پہنچ رہا ہے،اس میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ ہرسال ہزاروں کروڑ روپے کا کالا دھن بیرونی ممالک کو روانہ کیا جارہا ہےاور اس میں ہرسال کئی گنا اضافہ درج ہوتا جارہا ہے۔نریندر مودی حکومت کالا دھن تو واپس نہیں لارہی ہے یا لانا نہیں چاہتی یا لانے کی اہلیت نہیں رکھتی، یہ الگ بات ہے،لیکن زیادہ قابل تشویش بات یہ ہے کہ خود مودی حکومت میں ہرسال ہزاروں کروڑ روپیہ ہندستانیوں کا لوٹ کر بیرونی ممالک کے بینکوں میں رکھا جارہا ہے۔

زبیر احمد، سہارنپور

بقیہ— ثانیہ مرزا.....

کا موقع مل سکے۔لوگوں کو بار بار حکومت کی طرف سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ کووڈ سے بچنے کے لیے احتیاط برتیں لیکن کوئی اس پر عمل نہیں کرتا ہے، جہاں کہیں بھی دیکھیں لوگوں کی بھیڑ بھاڑ نظر آتی ہے۔

اب ان حالات میں کووڈ کی رفتار تیز نہیں ہوگی کیا؟

اب حکومت کی طرف سے کہا جارہا ہے کہ مزید پابندیاں عائد کی جائیں گی لیکن لوگوں کو پھر بھی عقل نہیں آتی ہے اور وہ نہیں سوچتے ہیں کہ پابندیوں سے عوام کا ہی نقصان ہوگا۔ دکانیں بند ہوں گی۔آمدورفت پر پابندیاں لگیں گی۔اس سے لوگوں کی مالی حالت خراب ہوسکتی ہے۔ دراصل لوگ ابھی تک کووڈ کی اصل حقیقت کو نہیں سمجھ سکے ہیں۔ماہرین کا کہنا ہے کہ اب کی بار کووڈ کی جو تیسری لہر چل پڑی ہے اس میں پہلے کے مقابلے میں شرح اموات بڑھ گئی ہے اس لیے عوام کو از خود حالات کا ادراک کرکے کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جس سے کووڈ کو پھیلنے کا موقع مل سکے۔□□

دارالعلوم دیوبند کے ناظم اوقاف مولانا محمد مرتضیٰ اسعدی کا سانحۂ ارتحال

یہ خبر انتہائی رنج وافسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ دارالعلوم دیوبند کے شعبہ اوقاف کے ناظم مولانا محمد مرتضیٰ اسعدی نے اپنی عمر عزیز کے پچھتّر سال گزار کر ۲۳ رجنوری ۲۰۲۲ء بروز اتوار بوقت نو بجے شب عین حالت سجدہ میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ مولانا مرحوم تقریباً اٹھائیس سال سے دارالعلوم دیوبند سے وابستہ تھے۔ شروع کے چند سال دفتر محاسبی سے بھی وابستہ رہے اور تقریباً بیس سال سے شعبہ اوقاف کی نظامت و انصرام کا کام سنبھالے ہوئے تھے۔ ۲۳ رجنوری کو ہشاش بشاش اور خوش وخرم تھے، شام کو سب کے ساتھ کھانا کھایا، گھر پر ہی نماز پڑھنے لگے، سجدہ میں گئے تو سجدہ میں ہی رہ گئے اور روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی جو منجانب اللہ جنتی ہونے کی شہادت ہے۔ مولانا مرحوم کو پروردگار عالم نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ سادگی پسند، ملنسار، خوش مزاج اور مہمان نواز واقع ہوئے تھے۔ صلح کل ان کی خاص عادت تھی، شاید ہی کوئی مخالف ہو البتہ دوست احباب اور محبین کی کثرت تھی، ہر کسی کے کام آنا ان کا معمول تھا۔ دارالعلوم کے اساتذہ وملازمین اور طلباء میں استحسان کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور ہر ایک کے کام آتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے پہلے مولانا مرحوم نے جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ ضلع سہارنپور میں اور پھر جامع مسجد سہارنپور میں بحیثیت منیجر کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

۲۴ رجنوری ۲۰۲۲ء بروز دوشنبہ دو بجے دن میں نمازِ جنازہ ہوئی جس میں دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ اور علاقہ کے دیگر مدارس کے طلباء، اساتذہ وملازمین کے علاوہ علاقہ کے ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔ نمازِ جنازہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم وشیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی نے پڑھائی اور ڈھائی بجے پرنم آنکھوں سے سپردِ خاک کردیا گیا۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو جنت الفردوس کے اعلیٰ مراتب سے نوازے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔ قارئین حضرات سے درخواست ہے کہ مولانا مرحوم کے لیے دعائے مغفرت فرمائے۔

جموں میں پناہ گزیں روہنگیا کے درمیان جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے گرم کپڑے اور دیگر امدادی اشیاء تقسیم

انسانی و دینی بنیادوں پر ان مظلومین کی مدد کی گئی: مولانا محمود مدنی

نئی دہلی ۲۵ رجنوری ۲۰۲۲ء: جمعیۃ علماء ہند کے قومی صدر مولانا محمود مدنی کی ہدایت پر جموں و کشمیر کے مختلف علاقوں میں خیمہ میں رہ رہے روہنگیائی مہاجرین کے درمیان کمبل، جیکٹ، اسکول بیگ وغیرہ تقسیم کیے گئے۔ اس سلسلے میں مولانا حکیم الدین قاسمی جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء ہند کی سربراہی میں ایک مرکزی وفد نے ان متاثرین کے احوال وکوائف سے آگاہی کے لیے جموں میں واقع ان کے خیموں کا دورہ کیا اور ان کے ساتھ انسانی ہمدردی کا اظہار کیا۔ جموں کی ناقابل برداشت ٹھنڈ میں میدان میں خیمہ بنا کر رہ رہے ان مظلوم ترین انسانوں کے درمیان ۵۰۰ کمبل، ۳۵۰ جیکٹ اور ایک سو پچاس بچوں کے درمیان اسکولی بیگ اور بیوہ خواتین کیلئے علیحدہ اشیاء تقسیم کی گئیں۔ ان کے درمیان چل رہے دینی ادارے کرایے کے خیموں میں چلتے ہیں، جمعیۃ علماء ہند کے وفد نے علماء کے ساتھ علیحدہ میٹنگ کی اور مدرسوں کی خستہ حالی کو دیکھتے ہوئے ان کے کرایے بھی ادا کیے۔ جمعیۃ علماء ہند کے وفد کے اندازہ کے مطابق یہاں سترہ سو خاندان بستے ہیں۔ جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری مولانا حکیم الدین قاسمی نے معصوم بچوں سے بات چیت بھی کی اور ذمہ داروں سے احوال بھی دریافت کیے، وہاں کی ۲۷ کمیٹیوں سے خصوصی میٹنگیں کیں۔ اس موقع پر اپنے بیان میں انھوں نے کہا کہ روہنگیا انتہائی مظلوم قوم ہے، ان کی ایک بڑی تعداد ہمارے ملک میں رہتی ہے، وہ جب تک اس ملک میں ہیں، ان کی ہر طرح سے مدد ہماری دینی اور ملکی ذمہ داری بنتی ہے۔ ہم انسان ہیں اور یہ انسان کا فطری احساس ہے کہ وہ بے گھروں کو سہارا دے۔ انھوں نے کہا کہ جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم حضرت مولانا محمود اسعد مدنی صاحب نے جمعیۃ کے احباب و دیگر سے اپیل کی ہے کہ وہ بلاتفریق مذہب متاثرہ افراد اور مظلوموں کی مدد کو اپنی سرگرمیوں کا حصہ بنائیں۔

جمعیۃ علماء ہند کے وفد میں ان کے علاوہ مولانا غیور احمد قاسمی آرگنائزر جمعیۃ علماء ہند، مولانا اخلاق قاسمی دہلی، کشمیر سے مولانا حمید اللہ میر باندی پورہ، مولانا مفتی عنایت اللہ امام و خطیب جامع مسجد جموں، مولانا طارق صدر تنظیم ائمہ مساجد جموں، مفتی سعید اللہ، مفتی اعجاز الحسن بانڈے، حافظ مسیح اللہ، ماسٹر عبدالقادر کشتوار شامل تھے۔

ممتاز عالم دین، مفکر ومصنف مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی کا دہلی میں انتقال

مشہور عالم دین اور اسلامی اسکالر مولانا منظور نعمانی کے بڑے صاحبزادے مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی کا کل دہلی میں طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ ان کی عمر ۹۶ برس تھی۔ پسماندگان میں دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ ان کی تدفین اور نماز جنازہ آج سنبھل میں بعد نماز ظہر ادا کی جائے گی۔ خاندانی ذرائع نے بتایا کہ مولانا مرحوم کو کوئی خاص بیماری نہیں تھی لیکن وہ عمر کے تقاضا کے مطابق عارضے سے متاثر تھے۔ مولانا ایک ممتاز علمی شخصیت اور کئی اہم اور فکر انگیز کتابوں کے مصنف تھے۔ جن میں ۶ جلدوں میں محفل قرآن نام سے ایک شاہکار تفسیر اور واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر مشہور ہیں۔ وہ حضرت مولانا منظور نعمانی کے سب سے بڑے فرزند تھے۔ مولانا کی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں ہوئی جہاں انہوں نے شیخ الاسلام حضرت مدنی سے استفادہ کیا۔ مولانا اسعد مدنی، اور مولانا محمد سالم قاسمی ان کے ہم درس تھے اور ۱۹۴۷ء میں رسمی فراغت کے بعد ان کے رسالہ الفرقان کے لمبی مدت تک ایڈیٹر رہے۔ سن ساٹھ کی دہائی میں انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی حفیظ نعمانی کے ساتھ ہفت روزہ ندائے ملت نکالا۔ جس کے سرپرست مولانا علی میاں اور مولانا نعمانی ہوا کرتے تھے۔ اسی دور میں مسلم مجلس مشاورت کے قیام میں فعال کردار ادا کیا۔ ان کے مضامین اپنے عہد میں نہایت فکر انگیز ہوا کرتے تھے۔ وہ آزادی کے بعد ہندوستان کے اہم اصحاب قلم میں شمار ہوتے تھے اور مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لیے ان کی تحریریں رہنما سمجھی جاتی تھیں۔ مولانا اپنی صحت کی خرابی کی بنا پر ۱۹۷۶ء میں برطانیہ منتقل ہوگئے۔ جہاں ان کی علمی خدمات اور مسلمانوں کے مسائل میں متحرک کردار کا سلسلہ جاری رہا۔ مولانا اپنے خلوص وسادہ معیار زندگی اور شرافت ووضع داری میں پچھلے زمانوں کی یادگار معلوم ہوتے تھے۔ علالت اور کبرسنی کے عوارض کی وجہ سے وہ کئی سال سے دہلی اپنے صاحب زادے مولانا عبید الرحمٰن سنبھلی کے ساتھ مقیم تھے۔ آج قبل عشاء مولائے حقیقی سے جاملے۔

نیپال راشٹریہ سبھا میں پہلی بار مسلمان کو رکنیت ملی

صدر جمعیۃ علماء نیپال مفتی محمد خالد صدیقی کی زبردست جیت

جب سے نیپال میں راشٹریہ سبھا (راجیہ سبھا) کی ممبری کے لیے نامزدگی کا اعلان کیا گیا اسی دن سے تمام مسلمانانِ نیپال نے صدر جمعیۃ علماء نیپال مفتی محمد خالد صدیقی کی کامیابی وکامرانی کے لیے بے شمار دعائیں کرنے کے ساتھ ساتھ، زمینی سطح پر بھی خوب محنتیں کیں۔ ان دعاؤں اور جاں توڑ محنتوں کا ثمرہ بحمدہ وتعالیٰ بتاریخ ۲۶ رجنوری ۲۰۲۲ء کو مسلمانانِ نیپال کو مل ہی گیا یعنی صدر جمعیۃ علماء نیپال مفتی محمد خالد صدیقی نے راشٹریہ سبھا کے الیکشن میں ۶۶۷۸ ووٹوں کے ذریعہ ایک بڑی اور نمایاں کامیابی حاصل کی، پورے نیپال میں یہ پہلی دفعہ ہوا ہے کہ کوئی مسلمان راشٹریہ سبھا کا ممبر بنا ہے اور یوں اس حوالے سے نیپال کی تاریخ میں مفتی صاحب کا تذکرہ ہمیشہ سنہرے حروف میں لکھا جائے گا۔ واضح رہے کہ صدر جمعیۃ علماء نیپال مفتی محمد خالد صدیقی راشٹریہ سبھا کے لیے جنتا سماج وادی پارٹی کی طرف سے امیدوار تھے، جس پارٹی کے ساتھ نیپالی کانگریس، ماؤوادی نیپال کمیونسٹ پارٹی، سماج وادی اور جن مورچہ نیپال کا گٹھ بندھن تھا۔ اس گٹھ بندھن پارٹیوں کی طرف سے راشٹریہ سبھا کے لیے دو امیدوار تھے جن میں ایک جنتا سماج وادی پارٹی کی طرف سے مفتی محمد خالد صدیقی اور دوم ماؤوادی کی جانب سے ایک خاتون ارمیلا آریال تھیں۔ اس راشٹریہ سبھا الیکشن میں صدر جمعیۃ علماء نیپال مفتی محمد خالد صدیقی کے مدمقابل اے مالے پارٹی کا امیدوار عثمان انصاری تھے، جنھوں نے ۲۷۶۶ ووٹ حاصل کیے اور مفتی محمد خالد صدیقی ۶۶۷۸ ووٹ حاصل کیے یعنی ۳۹۱۲ زائد ووٹوں کے ذریعہ ایک زبردست جیت حاصل کی ہے۔ واقعی صدر جمعیہ کے کثیر تعداد ووٹوں کے ذریعہ زبردست کامیابی حاصل کرکے مسلمانوں کے سینوں کو چوڑا کردیا ہے۔ اب نیپال کے مسلمانوں کے لیے یہ فخر کا سامان ہوگیا کہ راشٹریہ سبھا کے ممبر ایک مسلمان (مفتی محمد خالد صدیقی) بن گئے۔ اس موقع سے اگر جنتا سماج وادی پارٹی کے صدر اپیندر یادو جی کا نام نہ لیا جائے تو بڑی ناسپاسی ہوگی، کیونکہ یہی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے ایک مسلمان کو راشٹریہ سبھا کے لیے موقع دیا جس کی بنا پر آج مفتی محمد خالد صدیقی راشٹریہ سبھا میں گئے ہیں۔ واضح رہے کہ آج تک جمہوریت کی بحالی کے بعد دو، تین دفعہ راشٹریہ سبھا کا انتخاب ہوا مگر اس میں ایک بھی مسلمان نہ آسکا تھا۔ مفتی محمد خالد صدیقی کی اس بڑی کامیابی پر مفتی صاحب کو علمائے کرام کی ایک بڑی تعداد کی جانب سے مبارکبادیاں ملی ہیں۔

مراسلات

ادارہ کا مراسلہ نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں

ہجومی تشدّد پر خاموشی کیوں؟

مکرمی! جب میں نے یہ کالم لکھنے کی ابتدا کی تو میرے کانوں میں امریکی شہری حقوق تحریک کے لیڈر مارٹن لوتھر کنگ جونیئر کی یہ سطر گونج رہی تھی کہ تشدد اس کائنات میں برائیاں اور تشدد کو بڑھاتا ہے، یہ کسی بھی مسئلہ کو حل نہیں کرتا، وبائیں بڑھ رہی ہیں۔ معیشت کا حال برا ہے، لاکھوں ہندستانی اپنے محبوب کو کھونے کے بعد ان کی یادوں سے باہر آنے اور زندگی بہتر کرنے کی سعی کررہے ہیں لیکن سال کے آخر میں ہم ایک پریشان کرنے والے سوال سے بھی نبرد آزما ہورہے ہیں کہ کیا ایک انسان کو دوسرا انسان صرف اس لیے مار سکتا ہے کہ اس شخص نے اس کو گہری چوٹ پہنچائی ہے۔

حال ہی میں سرحدی ریاست پنجاب میں جہاں اسمبلی کے انتخابات ہونے والے ہیں، بے ادبی کے واقعات کے ملزموں کو پیٹ پیٹ کر قتل کردیا گیا، کسی بھی طبقہ کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے کے ارادے سے کی گئی کسی بھی بے ادبی کے واقعہ کی مذمت کی جانی چاہیے اور ایسے جرائم میں شامل لوگوں کے خلاف سخت کارروائی کی جانی چاہیے، لیکن ملزم شخص کا بے رحمی سے قتل ملک کے قانون سے روگردانی ہے۔ کسی بھی معاملہ میں کسی کو بھی ملزم کو جسمانی سزا دینے کا حق نہیں ہے۔ مشتبہ ملزمین کو جانچ اور مناسب کارروائی کے لیے پولیس کو سونپ دینا چاہیے تھا۔ اس شخص کو ہلاک کرکے ثبوت ضائع نہیں کیا جانا چاہیے تھا۔ سیاسی اور مذہبی لیڈروں نے بے ادبی کی سخت مذمت کی ہے، لیکن لنچنگ کے واقعہ کے بارے میں کچھ نہیں کیا ہے۔

پنجاب اور دوسرے مقامات پر پرہجوم تشدد کی مذمت کرنے میں سیاسی طبقہ کی ناکامی بے حد پریشان کرنے والی ہے اور ہجومی تشدد اور قانون ہاتھ میں لینے کے واقعات گہرے سوال پیدا کرتے ہیں۔ ہندستان ایک مذہبی اور متنوع ملک ہے، یہاں ایک طبقہ جسے پاک مانتا ہے، ضروری نہیں کہ دوسرا طبقہ بھی اسے اسی نظر سے دیکھے۔ اگر ہم ساتھ ساتھ جینا، پھلنا پھولنا اور ترقی کرنا چاہتے ہیں تو یہ آپسی احترام کے ذریعہ ہی ممکن ہوسکتا ہے لیکن تشدد کی زباں تیزی سے معاشرتی جواز حاصل کررہی ہے۔ جہاں لوگ مجرمانہ انصاف کے نظام کی کارکردگی سے ناخوش ہیں اور کسی بھی وجہ سے بندوق یا لاٹھی ہاتھ میں اُٹھانے اور فوری انصاف کرنے کا فیصلہ کرلیتے ہیں۔ اکثر اس کا مطلب کسی کی جان لینا ہوتا ہے۔ ملک میں کئی وجوہات سے مشتعل بھیڑ کے ذریعہ قانون ہاتھ میں لینے کی بے شمار مثالیں ہیں، کبھی یہ ایک مقدس کتاب کی وجہ سے ہوتا ہے، کبھی ایک محترم جانور کی وجہ سے اور کبھی کچھ دیگر وجوہات سے یہ حرکت کی جاتی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ قتل قتل ہے اور اسے کبھی بھی جائز نہیں ٹھہرایا جاسکتا اور جیسے جیسے یہ تحمل کم ہوتا جارہا ہے، یہ پوچھنا اہم ہے کہ کیا اس افسوسناک رجحان کو روکا جاسکتا ہے۔ ہم ہری دوار کی دھرم سنسد یا دہلی میں دیئے گئے اشتعال انگیز بیان سے بے اعتنائی نہیں کرسکتے، اس طرح کے مسابقتی تشدد کو بھڑکانے والے بیان ہمیں تباہ وبرباد کردیں گے۔ آخر اس ہجومی تشدد کو کیسے روکیں؟ اس کا سیدھا سا جواب ہے کہ اسے معمولی نہ سمجھیں۔ ابھی ابھی جھارکھنڈ اسمبلی نے ’ماب وائلنس اینڈ ماب لنچنگ بل ۲۰۲۱ء‘ پاس کیا ہے جس کا مقصد ریاست میں دستوری حقوق کی مؤثر حفاظت مہیا کرنا اور بھیڑ کے تشدد کو روکنا ہے۔ امید ہے کہ دوسری ریاستیں بھی ایسا ہی قانون پاس کریں گی اور اسے نافذ کریں گی۔

ہمیں مجموعی طور پر کہنا ہوگا کہ کسی کو چوٹ پہنچانا بھی غیر قانونی ہے، قتل کرنا تو دور کی بات، چاہے کچھ بھی ہوجائے بھیڑ قانون کو ہاتھ میں نہیں لے سکتی۔ سیاسی قیادت کے ساتھ نظام انصاف کو بھی سخت پیغام دینے ہوں گے کہ غیر قانونی کام کو بالکل برداشت نہیں کیا جائے گا۔ ساحر لدھیانوی نے ٹھیک ہی کہا ہے۔ آج اگر خاموش رہے تو کل سناٹا چھائے گا۔ تشدد سے تشدد بھڑکتا ہے اور نفرت میں غرق ملک کا کوئی مستقبل نہیں ہوتا۔ ہمیں تشدد کے اس کھیل میں پھنس کر اپنا اور اپنے بچوں کا مستقبل خراب نہیں کرنا چاہیے۔ نئے سال کی ابتداء پر یہی میری امید اور دعا ہے۔

محمد صادق مظفر قاسمی، دھرہ دون

کالا دھن گھٹنے کے بجائے بڑھ رہا ہے

مکرمی! مودی حکومت کئی اہم ترین انتخابی وعدوں کو محض ایک انتخابی جملہ کی طرح فراموش کررہی ہے۔ جس طرح نریندر مودی نے انتخابی مہم کے دوران عوام کو یہ لالچ دیا تھا کہ ملک کا جو کالا دھن بیرونی ملکوں میں چھپایا گیا ہے، اگر وہی واپس لالیا جاتا ہے تو ہر غریب شہری کے اکاؤنٹ میں پندرہ تا بیس لاکھ روپے آسکتے ہیں۔ جب انتخابات میں کامیابی ملی اور بی جے پی نے مرکز میں حکومت تشکیل دے دی اور کچھ وقت گذر گیا تب اس تعلق سے میڈیا میں اور اپوزیشن کی جانب سے سوالات کیے جانے لگے تو وزیر داخلہ امت شاہ نے کہا تھا کہ یہ محض ایک انتخابی جملہ تھا اور سبھی کو واقفیت ہے کہ اس طرح کے کسی کے اکاؤنٹ میں کوئی پیسے نہیں آتے۔ اس کے بعد سے اپوزیشن کی جانب سے حکمت کو مسلسل تنقیدوں کا نشانہ بناتے ہوئے جملوں کی حکومت اور یوٹرن حکومت قرار دیا جانے لگا تھا۔ کئی اہم ترین انتخابی وعدوں کو جس طرح بی جے پی نے فراموش کردیا تھا، اسی طرح کئی اہمیت کے حامل مسائل پر حکومت نے اپنے موقف میں یکسر تبدیلی اختیار کی۔ مودی حکومت کا ایک اہم ترین وعدہ یہ بھی تھا کہ جو کالا دھن بیرونی ممالک میں ہندستانیوں کا رکھا ہوا ہے، اسے واپس لایا جائے گا۔ اب حکومت نے لوک سبھا میں یہ بیان دیا ہے کہ حکومت کو یہ پتہ تک نہیں ہے کہ سوئز بینکوں میں ہندستانیوں کا کتنا پیسہ رکھا ہوا ہے۔ اس پیسے کو واپس لانا تو دور کی بات ہے حکومت اس پیسے کی تفصیل سے تک واقف نہیں ہے۔ یہ حکومت کی ناکامی بھی کہی جاسکتی ہے یا پھر حکومت کی کارپوریٹ نوازی بھی ہوسکتی ہے۔ جتنا کالا دھن بیرونی ممالک میں رکھا ہوا ہے، اس تعلق سے عام تاثر یہی ہے کہ ان میں بیشتر وہ لوگ ہیں جو حکومت سے قربت رکھتے ہیں۔ حکومت کے حاشیہ بردار ہیں اور حکومت انھیں ہی نفع پہنچانے میں مصروف ہے۔ کالا دھن واپس لانے کے معاملے میں بی جے پی نے (باقی صـ۱۴ پر)

ALJAMIAT (URDU WEEKLY) NEW DELHI
Postal Registration No. DL(C)-01/1267/2021-23
Publishing Date: 21 January 2022
Posting Days MON. TUE. at N.D.P.S.O. New Delhi
R.N.I. 38985/82

منظر پس منظر ۔۔۔۔۔ عارف عزیز، بھوپال

• ہندستان کی خارجہ پالیسی کے مضمرات • شہری مسائل اور عام آدمی

• ہندستان میں پانی کی فراہمی کا مسئلہ

ہندستان کی خارجہ پالیسی کے مضمرات

جمہوریت کے لئے صرف آزادانہ انتخاب ضرری نہیں۔اس میں صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ کسے سب سے زیادہ ووٹ ملے ہیں۔اس سے زیادہ اہم ان لوگوں کا حق ہے جنہوں نے کامیاب امیدوار کے لیے ووٹ نہیں دیا۔ہندوستان سات دہائیوں سے زیادہ عرصہ سے دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے۔

ملک کی ۳ء۱ارب کی آبادی میں عیسائی، مسلم، سکھ، بدھ، جین اور دیگر مذاہب کے افراد شامل ہیں۔ یہ سب ہندوستانی ہیں جنہیں اپنی زندگی کا زیادہ تر عرصہ پناہ گزین کے طور پر گزارنے والے دلائی لامانے یکجہتی اور استحکام کی مثال قرار دیا ہے۔نریندر مودی نے ان سبھی کو شبہ میں لادیا ہے۔ہندوستان کے زیادہ تر وزیراعظم تقریباً ۸۰

دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کے وزیر اعظم ہونے کے ناطے وہ یقیناً دنیا کی باا‌ثر شخصیات میں شامل ہوتے ہیں لیکن اس اثر کو آپ کتنا مثبت اور کتنا محرک بناتے ہیں، اصلی کسوٹی یہی ہے۔ مودی جی پر ٹائم نے جس طرح کا تبصرہ کیا ہے وہ ان کے اثرات کے منفی پہلو کودکھارہاہے جواچھی بات نہیں ہے۔

فیصد آبادوالے ہندوفرقہ سے آئے ہیں لیکن صرف مودی ہی ایسے ہیں جنہوں نے اِس طرح حکومت کی جیسے ان کے لیے دوسرے معنی نہیں رکھتے۔

ہندوستان کے وزیراعظم نریندر مودی پر یہ تلخ تبصرہ ٹائم میگزین کے مدیر کارل وک نے کیا ہے۔امریکہ سے شائع ہونے والے دنیا کے مؤقر میگزین ٹائم نے اس بار دنیا کی ۱۰۰ بااثر شخصیات کی جو فہرست جاری کی ہے، ان میں ہندوستانی وزیراعظم کا نام بھی شامل ہے۔اس کے علاوہ اداکارہ ایوشمان کھرانا، شاہین باغ تحریک میں شامل ۸۰ برس کی بلقیس، ایچ آروی پر تحقیق کرنے والے رویندر گپتا اور گوگل کے سی ای او سندر پچائی کا نام بھی اس فہرست میں موجود ہے۔

دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کے وزیر اعظم ہونے کے ناطے وہ یقیناً دنیا کی بااثر شخصیات میں شامل ہوتے ہیں لیکن اس اثر کو آپ کتنا مثبت اور کتنا محرک بناتے ہیں، اصلی کسوٹی یہی ہے۔ مودی جی پر ٹائم نے جس طرح کا تبصرہ کیا ہے وہ ان کے اثرات کے منفی پہلو کو دکھارہا ہے جو اچھی بات نہیں ہے۔بی جے پی کی ٹرول آرمی اب تک اس کی چیر پھاڑ کر چکی ہوگی کہ ایسا لکھوانے کے پیچھے کس کی سازش تھی، کون سی دانشور طاقتیں مودی جی کی شبیہ بگاڑنے میں لگی ہیں۔لیکن اس سے ان کی شبیہ میں کتنی بہتری آئے گی یہ کہا نہیں جاسکتا۔واضح رہے کہ وزیراعظم نریندر مودی نے عہدہ سنبھالنے کے بعد دھواں دھار بیرونی دورے کیے۔مذاق میں انہیں وزیر خارجہ بھی کہا جانے لگا۔ مئی ۲۰۱۴ء میں عہدہ سنبھالنے کے بعد ستمبر تک یعنی چار مہینوں میں انہوں نے امریکہ سمیت پانچ ملکوں کا دورہ کرلیا تھا۔اس کے بعد نومبر ۲۰۱۴ء سے ستمبر ۲۰۱۵ء تک مزید ۲۴ ملکوں کا دورہ کیا۔ابھی پارلیمنٹ میں مملکتی وزیر خارجہ وی مرلی دھرن نے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ مودی جی نے مارچ ۲۰۱۵ء سے نومبر ۲۰۱۹ء کے درمیان کل ۵۸ ملکوں کا دورہ کیا اور ان دوروں پر جملہ ۸۲ء۵۱۷ کروڑ روپے خرچ ہوئے ہیں۔وی مرلی دھرن نے یہ بھی بتایا کہ وزیراعظم کے ان دوروں سے باہمی، علاقائی اور عالمی مسائل پر ہندوستان کے نظریہ کے بارے میں دیگر ملکوں کے فہم میں اضافہ ہوا اور تعلقات میں استحکام آیا۔حکومت وزیراعظم کے بیرونی دوروں کے ذریعہ تعلقات میں استحکام کی بات کررہی ہے لیکن اسے یہ بھی واضح کرنا چاہیے کہ یہ تعلقات شخصی سطح پر مضبوط ہوئے یا اس سے ملک کو بھی کوئی فائدہ پہنچا ہے۔جیسے چین کے صدر شی جن پنگ کے ساتھ مودی جی نے دوستانہ انداز میں جھولا جھولا، کشتی میں سفر کیا۔لیکن آج چین نے ہماری زمین پر قبضہ کرلیا ہے، اس کے سبب ہمارے ۲۰ سے زائد جوان شہید ہوئے ہیں اور اب بھی دونوں ملکوں کی افواج آمنے سامنے ہیں۔تو اسے مضبوط تعلقات کیسے کہہ سکتے ہیں۔اسی طرح امریکہ کے صدر ڈونالڈ ٹرمپ مودی جی کو اپنا اچھا دوست بتاتے ہیں، لیکن دوا نہ بھیجنے پر وہ انجام بھگتنے کی دھمکی بھی دیتے ہیں، کیا دوستی ایسی ہوتی ہے۔

پاکستان کے ساتھ ہمارے تعلقات ابتداء سے کشیدہ رہے لیکن مودی جی کے اقتدار میں آنے کے بعد کشمیر میں سرحد پر انکاؤنٹرس یا دہشت گردی میں ہمارے فوجی جنگی زمانے سے بھی زیادہ شہید ہوئے ہیں اور اب جموں وکشمیر کی نئی سیاسی، جغرافیائی حالت کے بعد یہ کشیدگی اور بڑھ گئی ہے۔ نیپال ہندوستان کو ہمیشہ اپنا بڑا بھائی یا اچھا دوست مانتا تھا۔دونوں ملکوں کے بیچ روٹی بیٹی جیسے قریبی تعلقات تھے۔آج اِن پر شک کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔اس سے پہلے کسی اور وزیراعظم کے دور میں نیپال سے تعلقات اس قدر نہیں بگڑے۔ کچھ یہی حال بنگلہ دیش کے ساتھ ہے۔اس سے اندازہ ہوتا ہے نہ صرف عالمی طور پر بلکہ علاقائی سطح پر ہندوستان کی ساکھ اور دھاک متاثر ہورہی ہے۔

شہری مسائل اور عام آدمی

کہتے ہیں کہ ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی اور یہی صورت حال کچھ شہروں اور شہری زندگی کی ہے۔دور سے دیکھنے والوں کو شہری زندگی میں بڑی چمک دمک اور آن بان نظر آتی ہے لیکن شہریوں کی زندگی کے خود کتنے مسائل سے دوچار ہوتی ہے، اس کا اندازہ انہی کو ہوتا ہے جو شہروں اور خصوصاً بڑے شہروں میں زندگی گزارتے ہیں، شہروں کا سب سے بڑا مسئلہ افزائش آبادی ہوا کرتا ہے۔متعدد بڑے شہروں کی آبادی جو ۱۹۵۰ء میں تھی آج بڑھ کر یعنی محض ۷۰ سال کے دوران تقریباً دوگنی ہوگئی ہے۔شہروں کا دوسرا اہم مسئلہ پانی کی آلودگی کا ہے، شہروں میں اضافہ آبادی کے ساتھ ساتھ پینے کے پانی کی طلب میں بھی بے پناہ اضافہ ہورہا ہے۔ آلودگی سے پاک وصاف اور شفاف پانی ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔جس کے بارے میں وعدے تو ہوئے لیکن دریاؤں اور تالابوں کا یہ عالم ہے کہ ان کی آلودگی میں دن بہ دن اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔

آبادی کے بڑھنے کے ساتھ ہی شہروں میں رہائشی مسائل بھی پیدا ہورہے ہیں۔محلوں میں کوڑے کرکٹ کے ڈھیر اور پانی کی نکاسی کی سہولت کا نہ ہونا بیماریوں کا سبب بن رہا ہے۔ ایک طرف جہاں سارا ملک کووڈ-۱۹ سے لڑ رہا ہے، بڑے شہروں میں جگہ جگہ کچرے کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔شہروں میں صنعتوں اور کارخانوں کے قیام سے ماحول جس طرح آلودہ ہورہا ہے وہ بھی اپنی جگہ ایک اہم مسئلہ ہے۔شہر میں رہنے والوں کی صحت پر اس کے منفی اثرات کسی سے پوشیدہ نہیں۔ شہروں میں ایک اور اہم مسئلہ ٹرانسپورٹ کا ہے۔آبادی کے پھیلنے کے سبب ٹرانسپورٹ میں اضافہ بھی ضروری ہے لیکن ملک میں ٹرانسپورٹ سسٹم ابھی تک ناقص ہے۔شہر میں جو ٹرانسپورٹ بسیں چلتی ہیں، ان میں سے بیشتر ناقص، پرانی اور مرمت طلب ہے۔دھواں چھوڑتی بسیں اور شور مچاتے دیگر چار پہیوں والی سواریاں اور بے تحاشا تیز دوڑ بھاگتے ٹرک سب صحت پر منفی اثرات ڈال رہے ہیں۔ٹریفک مسائل کا یہ عالم ہے کہ بیشتر شہریوں کو ٹریفک کے ضابطے کا علم نہیں اور اگر ہوا بھی ہے تو ان ضابطوں پر عمل کرنا ہرگز نہیں چاہتے ہیں۔سڑک پر لاپرواہیوں کی وجہ سے بے گناہ اور معصوم شہریوں کے موت کے گھاٹ اتر جانے کی خبریں دل ہلا کر رکھ دیتی ہیں۔شہریوں میں آرام وآسائش کا رجحان جس تیزی سے بڑھ رہا ہے اس کا اندازہ بھی دشوار نہیں۔اس کے نتیجے میں امیر اور غریب کا فرق بڑھتا جارہا ہے۔مالی اعتبار سے ہر شخص دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کررہا ہے۔ جرائم میں بڑی تیزی سے اضافہ ہورہا ہے، معمولی معمولی باتوں پر لوگ ایک دوسرے کو قتل کردیتے ہیں۔قصہ مختصر یہ کہ شہری زندگی جو دور سے بڑی بارونق اور پرکشش نظر آتی ہے شہریوں کے لئے بڑی سنجیدہ اور صبر آزما ہوگئی ہے۔

ہندستان میں پانی کی فراہمی کا مسئلہ

پانی قدرت کا انمول عطیہ ہے، جس کے ساتھ حکومت اور عوام دونوں کا رویہ انتہائی عدم توجہ کا رہا ہے۔ ہمارے ملک ہندوستان میں سیکڑوں دریا، تالاب اور آبشار موجود ہیں۔ پھر بھی پانی کی قلت ایک حقیقت ہے، یہاں کے عوام کو دنیا کے دوسرے ممالک کے مقابلہ میں استعمال کے لئے پانی کم دستیاب ہورہا ہے۔کیونکہ پانی کے تحفظ کی مناسب سہولت نہ ہونے کی وجہ سے ہر سال اربوں مکعب میٹر بارش کا پانی بے کار چلا جاتا ہے جبکہ ہمارے یہاں زیر زمین پانی کی سطح مسلسل گر رہی ہے اور سالانہ پانی کی فراہمی فی کس چین، برازیل اور جنوبی افریقہ جیسے ترقی پذیر ممالک سے بہت کم ہے۔مختلف ملکوں کے موجود پانی کے ذخیرے کے سلسلے میں جاری ایک کتاب کے مطابق ہندوستان

زیر زمین پانی کا ضرورت سے زیادہ استعمال ہونے کی وجہ سے ہندوستان کی کئی ریاستوں میں اس کی سطح نازک صورت حال تک پہنچ چکی ہے۔بارش کا پانی بے کار جارہا ہے اور اس کے استعمال کے لئے کوئی طریقہ نہیں ہے۔ ماہرین نے بتایا کہ ہندوستان میں پانی کا بحران مسلسل بڑھ رہا ہے۔

میں فی کس پانی کا ذخیرہ ۲۰۹ مکعب میٹر ہے جبکہ چین میں ایک شخص کے لئے ۲۱۶ مکعب میٹر پانی فراہم ہے۔ ہندوستان کے پڑوسی ملک بنگلہ دیش میں یہ شرح ہندوستان سے کم ۱۴۱ مکعب میٹر ہے، جبکہ افریقی ملک اتھیوپیا میں ۶۷ مکعب میٹر ہے۔ جنوبی افریقہ کی حالت چین سے بہتر ہے لیکن مصر ان میں بہت آگے ہے اور وہاں فی کس پانی کی فراہمی ۲۰۱۷۳ مکعب میٹر ہے۔ ناروے میں فی کس پانی کی شرح کے مطابق پانی کا ذخیرہ وافر مقدار میں دستیاب ہے۔ وہاں فی کس پانی کی فراہمی ۸۰۳۶ مکعب میٹر ہے۔اس فہرست میں دوسرے مقام پر روس ہے اور آسٹریلیا ۳۲۲۳ مکعب میٹر پانی کی دستیابی کے ساتھ تیسرے مقام پر ہے۔ ترقی یافتہ ملک برازیل چوتھے نمبر اور امریکہ پانچویں نمبر پر ہے۔ پانی کے ذخائر کی موجودگی دکھانے والی اس فہرست میں چین آٹھویں اور ہندوستان نویں نمبر پر ہے۔ چوتھے

(بقیہ صفحہ ۱۴ پر)

جمعیۃ علماء ہند کے محترم صدر اور دارالعلوم دیوبند کے معاون مہتمم
امیرالہند حضرت مولانا قاری سیدمحمد عثمان صاحب منصورپوری نوراللہ مرقدہٗ
کی حیات و خدمات پر مشتمل
ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی کا
امیرالہند رابع نمبر
اپنی پوری شان کے ساتھ منظر عام پر آچکا ھے
صفحات: ۸۱۲ | سائز: ۲۳×۳۶/۸ | قیمت -/800
رابطہ: ہفت روزہ الجمعیۃ، مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
موبائل: 09868676489 — ای میل: aljamiatweekly@gmail.com

ضروری اعلان
آپ براہِ کرم مدتِ خریداری ختم ہوتے ہی زرِ سالانہ ارسال فرمائیں۔خط وکتابت میں خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
ادائیگی کے طریقے: 1 بذریعہ منی آرڈر
2 Paytm یا PhonePe کے ذریعہ 9811198820 پر
ALJAMIAT WEEKLY
3 آن لائن ادائیگی کیلئے بینک اکاؤنٹ کی تفصیل
A/c. 912010065151263
Axis Bank, Branch: Chitranjan Park, N.D.
IFS Code : UTIB0000430

شرح خریداری
سالانہ 200/-
ششماہی 100/-
فی پرچہ 5/-
پاکستان اور بنگلہ دیش کے لئے 2500/-
دیگر ممالک کے لئے 3000/-
رابطہ: منیجر ہفت روزہ الجمعیۃ مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
فون: 011-23311455

ہفت روزہ الجمعیۃ انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہے، لاگ آن کریں: www.aljamiat.in
رابطہ: 9811198820 ای۔میل: aljamiatweekly@gmail.com

Printed & Published by SHAKIL AHMAD SYED on behalf of Jamiat Trust Society printed at Shervani Art Printers, 1480, Qasimjan Street, Ballimaran, Delhi-6 and Published from Madani Hall,1, Bahadur Shah Zafar Marg, New Delhi-110002. Editor MOHD. SALIM, Ph. No. 23311455, 23317729, Fax No.: 23316173.
Designing & Composing: HUMRAN AZMI